اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم

اشاعت نمبر ۹

سیرت امام ابن تیمیہ (رضی اللہ عنہ)

(از قلم)

چوہدری غلام رسول مہر بی اے چیف ایڈیٹر اخبار زمیندار لاہور

پبلشر

الہلال بک ایجنسی

نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء

مطبوعہ کریمی پریس کوتوالی [illegible] لاہور

بار اول — قیمت ۹ر — تعداد ۱۰۰۰

سلسلۂ تراجم

اس ایجنسی کے پیشِ نظر ان اعلیٰ پایہ اور مفید یا ضروری تصانیف کے اردو تراجم پیش کرنا ہے جن کا
مطالعہ اصلاحِ عقائدِ اسلام اور افہام و تفہیم حقیقتِ اسلامیہ کے لیے نہایت ضروری اور ناگزیر ہے۔ ان
میں [illegible] مجاہدِ حق اور جس کی ذات مقاماتِ علم و عمل شخصیت کی اہم ترین
[illegible] ہے وہ شیخ المصلحین مولانا [illegible]
امام الفقہین وارث الانبیاء قدوۃ الاولیاء حضرت شیخ الاسلام تقی الدین ابی العباس احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ
تعالیٰ کا وجود مبارک ہے۔ اس مقام پر یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ امام ممدوح کی بلند منصبی اور
علوِ منزلت کی حقیقت کیا ہے۔ [illegible] ان کی تصانیف اردو کے لباس میں تمام ناظرین کے سامنے
آئیں گی تو حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائے گی۔ لیکن جن حضرات کو اس باب میں تفصیلی بحث دیکھنی ہو
وہ حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کی "تذکرہ" میں [illegible] مقام [illegible]
[illegible] رسول اللہ [illegible]
[illegible] سیرت ابن تیمیہ کو ملاحظہ فرمائیں [illegible]
[illegible] امام ممدوح کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے۔ [illegible]
تراجم عام فہم اور سلیس عبارت میں شائع کر رہے ہیں تاکہ [illegible]
ان کے مطالعہ سے مستفید ہوں اور حضرت امام کے [illegible]
کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم اور [illegible] عظیم [illegible] کے بعض دوسرے بزرگوں کی تصانیف کے تراجم
شائع کرنا اور انہیں عام رواج دینا اس ایجنسی کا دوسرا مقصد ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں سے ذیل کے تراجم زیورِ طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر شائع ہو چکے ہیں:
(۱) اسوۂ حسنہ، (۲) اصحابِ صفہ، (۳) العروۃ الوثقیٰ، (۴) کتاب الوسیلہ۔

علاوہ ازیں بہت سی کتب کے تراجم پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں اور بہت سی کتابوں کے تراجم زیرِ غور
ہیں جن کے نام شائع ہونے سے پہلے درج کرنا مناسب نہیں۔ جو صاحب اس سلسلہ کی کوئی
کتاب شائع کرنا چاہیں وہ پہلے ہمیں ضرور اطلاع دیں ورنہ ہمارے نقصان کے تمام تر وہ ذمہ دار ہوں گے

المشتہر

مینجر الہلال بک ایجنسی لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الہلال بک ایجنسی" فی الاصل علوم شریعت اسلامیہ کی نشر و ترویج کیلئے معرض وجود میں آئی تھی۔ اس سلسلے میں اسکے پیشِ نظر سب سے بڑا اور اہم کام یہ تھا کہ شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ اور اُنکے تلامذہ و متبعین کی اہم، ضروری اور نافع تصانیف کے تراجم اُردو زبان میں شائع کرے تاکہ یہاں کا ہر مسلمان معارف کتاب و سنت کے اُن خالص اور پاک چشموں تک پہنچ سکے۔ امام ممدوح کی ایک مفصل و مبسوط سوانح عمری کی ترتیب و تدوین کا بھی خیال تھا۔ چونکہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد تذکرہ میں اس سوانح عمری کی ترتیب کا خیال ظاہر فرما چکے تھے، اس لئے مقام ابن تیمیہ کا ہر اندازہ شناس خاموش بیٹھ گیا۔ لیکن حضرت مولانا آزاد غالباً اہم مُلکی و ملّی خدمات میں مصروف ہو جانے کے باعث اس طرف متوجہ نہ ہو سکے، ناچار الہلال بک ایجنسی نے اس خدمت کی سرانجام دہی ضروری سمجھی۔ موجودہ سوانح عمری اس خدمت کی پہلی کڑی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ دنیا کسی نہ کسی حد تک امام ممدوح سے روشناس ہو سکے۔ اس امر کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ کتاب چھوٹی اور ارزاں ہو تاکہ بہت سے لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔ مفصل و مبسوط سوانح عمری کی ترتیب بھی شروع ہے، چند اہم کتب کے پہنچنے کا انتظار ہے انشاء اللہ وہ بھی جلد شائع ہو جائیگی یہ کتاب مستقل تصنیف نہیں بلکہ ایک مضمون ہے جسے سیرۃ ابن تیمیہ کا ایک عام خاکہ کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اکمل و مفصل سوانح عمری کی تکمیل و اشاعت کا موقع دے۔ وبیدہ التوفیق۔

نیازمند

محمد عبدالعزیز خاں الکٹ مہتمم الہلال بک ایجنسی

۲۴ راکتوبر ۱۹۲۵ء

فہرست مضامین

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی علوم کے مطالعہ کی ابتدا ہی میں مجھے شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجودِ گرامی کے ساتھ ایک خاص عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ عقیدت تحقیق کا نتیجہ نہ تھی بلکہ محض سماعت پر موقوف تھی، یعنی میری تشنۂ معارفِ کتاب و سنت آنکھوں سے امام ممدوح کی کوئی کتاب نہ گزری تھی، بلکہ چند خاص اور معتمد علیہ بزرگوں کی زبان سے تعریفی الفاظ سُن کر مسحور ہو گیا تھا۔

میں عربی زبان سے بالکل نابلد تھا، حضرت امام کی کسی تصنیف سے استفادہ نہیں کر سکتا تھا، تاہم اِس مبارک نام کے اندر میرے دل کو جذب و کشش خصوصی کی ایک عجیب دنیا نظر آتی تھی۔ میرا دماغ منصبِ تجدید کے اِس تاجدارِ اعظم کی جلالتِ مرتبت، رفعتِ منزلت اور علوِ شان سے بالکل نا آشنا تھا، تاہم جب ابن تیمیہؒ میری زبان پر آتا تھا تو دل جوشِ عقیدت سے بیتاب ہو جاتا تھا۔ اِس عقیدت کی بنا پر میں نے آہستہ آہستہ عربی زبان کی تحصیل شروع کی، امامِ ممدوح کی کتابیں دیکھیں اور یہ عقیدت زیادہ مستحکم، زیادہ مستقل اور زیادہ پائدار ہوتی گئی۔ ایک خاص وارفتگی کے عالم میں یہ فیصلہ کیا کہ امامِ ممدوح کے سوانح حیات مرتّب کروں۔ عشق و شیفتگی کا تقاضا یہ تھا کہ میں ہر مسلمان کے دل میں معارفِ کتاب و سنت کے عظیم الشان سرچشمہ کے لئے بڑی سے بڑی تڑپ پیدا کر دوں، لیکن اپنی علمی بے بضاعتی پر نظر پڑتی تھی تو اِس موضوع پر قلم اُٹھانے کا خیال بھی گناہ معلوم ہوتا تھا۔ اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جن کتبِ

رسائل سے امام ممدوح کی سیرۃ کے اہم تفصیلی واقعات مِل سکتے تھے اُن تک رسائی مشکل تھی، بہرحال چونکہ عقیدت زوروں پر تھی اسلئے آہستہ آہستہ کچھ مواد جمع ہوتا گیا۔ خیال تھا کہ اچھی فرصت نکالکر امام ممدوح کی ایک مسودا سیرۃ مرتب کردونگا۔ لیکن میں خدمتِ ملت کے چند خاص ضروری اور اہم مواقع میں اُلجھ گیا جن کے باعث کسی دوسری طرف توجہ کرنیکی فرصت ہی نہ رہی۔ لہذا سیرتِ ابن تیمیہؒ کی ترتیب کو معرضِ التوا میں ڈالنا پڑا۔ اِس اثنا میں میرے محترم دوست اور عزیز بھائی مولوی عبدالعزیز صاحب مالکِ الهلال بک ایجنسی" کا حکمنامہ میرے پاس پہنچا کہ کتاب الوسیلہ کا ترجمہ مکمّل ہوچکا ہے اور یہ ضروری ہے کہ میں امام ابن تیمیہؒ کی ایک مختصر سی سرگزشتِ حیات لکھدوں تاکہ وہ کتاب الوسیلہ کا مقدمہ بن سکے۔ میں نے بہت عذر خواہی کی لیکن برادر عزیز اپنے اصرار پر قائم رہے۔ ناچار۔ مجھے اُنکے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا اور فرصت سوز مصروفیات کے متواج و متلاطم سمندر کی موجوں کے دوش پر سواری کے عالم میں چند گھنٹوں کے اندر یہ صفحات مرتّب کرنے پڑے۔ میں اپنی علمی بے بضاعتی سے پُورے طور پر آگاہ ہوں، اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ اوراق امام ابن تیمیہؒ کی ازسرتا پا مجاہدانہ زندگی کا کوئی صحیح مرقع نہیں بن سکتے۔ اِس حقیقت سے بھی واقف ہوں کہ کم ازکم میرا قلم اِس موضوع سے تعرض کی کسی صلاحیت سے بھی بہرہ مند نہیں، لیکن ایک مخلص دوست کی خوشنودی اور ایک عزیز بھائی کی رضاجوئی کے خیال سے بادلِ ناخواستہ یہ چند سطور سپردِ قلم کررہا ہوں اور نہیں عرض کرسکتا کہ کس اضطراب کے عالم میں۔ شاید اِنکے مطالعے سے امام ممدوح کے نیازمندوں کا حلقہ کس قدر وسیع ہوجائے؟ اربابِ علم سے استدعا ہے کہ وہ اِن اوراق کو علمی تحقیق و تفتیش کی بلند پایہ کسوٹی پر نہ کسیں محض یہ سمجھیں کہ یہ ایک محترم بھائی کی واجب التعمیل فرمائش کا اضطراری نتیجہ ہے اور بس۔

لکھنا شروع کیا تھا تو پیشِ نظر محض مقدمہ تھا، لیکن تحریر و تسوید کا سلسلہ ختم ہُوا تو یہ چیز ایک مقدمہ کی تنگنائے میں سما جانے کے قابل نظر نہ آئی لہذا علیحدہ اور مستقل رسالہ کی صورت میں چھپ رہی ہے۔

مہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکایت از قدِ آں یارِ دلنواز کنیم
باین فسانہ مگر عمرِ خود دراز کنیم

باب (۱)

ولادت اور تعلیم و تربیت

چوبیس گھنٹے کی ہر معین مدت کے اختتام پر افق مشرق کی پہنائی نورِ سحر کی جلوہ ریزیوں اور ضیا باریوں کا مرکز بنتی ہے، اس کے ساتھ ہی بزم کائنات کی مُردہ رگوں کے منجمد و افسردہ خون میں زندگی کی نئی حرارت دوڑ جاتی ہے۔ اور پانی کی تہ، زمین کی سطح اور فضا کی بلندی کی ہر شے جو رات کی تاریکی میں موت سے ہم آغوش رہتی ہے، حیاتِ تازہ کا پیغام پاکر اپنے مقصدِ تخلیق کی تکمیل میں مصروف ہو جاتی ہے۔ نو ماہ کی ہر مقررہ میعاد کے انقضا پر دنیا میں فصلِ بہار کا دَور دَورہ شروع ہوتا ہے، اس کے ساتھ ہی زمین اپنے سینے کی قوت نمو کا سارا ذخیرہ اس طرح اُچھال کر باہر پھینک دیتی ہے جس طرح کہ مدت سے بچھڑا ہوا اور فرقت زدہ عاشق اپنے محبوب کی دلنواز التفات و نوازش سے مسحور ہو کر اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کی ساری

سرگزشت بلا تکلف کہہ ڈالتا ہے۔ فرشِ خاک اپنا ملگجا لباس اُتار کر سبزے کی زمرّدی قبا پہن لیتا ہے۔ برہنہ درخت سبز پتّوں کی نظارہ نواز خلعت سے سرفراز ہوجاتے ہیں۔ باغوں کی ویران روشیں رنگین و عطر بیز پھولوں سے "دامانِ باغبان و کفِ گل فروش" بن جاتی ہیں۔ نونہالانِ چمن کی خاموش اور سنسان خلوت میں کیف انگیز چہچہے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ بزمِ قدرت کے عام مشاہدہ و مناظر ہیں۔ لیکن انسانیت کے خاور پر ہر چوبیس گھنٹے کے بعد صبح نمودار نہیں ہوتی، اور اس چمن زار میں ہر نو ماہ کے بعد بہار نہیں آتی۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ ہر پہاڑ کا دامن زر و جواہر سے لبریز نہیں ہوتا اور نہ ہر دریا کی آغوش میں موتیوں کی پرورش کا جوہر موجود ہے، تاہم پہاڑوں میں جہاں کہیں کانیں نکلتی ہیں الماس کے چند ٹکڑوں یا دس پانچ ہیروں کی بخشش کے بعد اپنی محنت نواز ہمت جود و سخا سے کنارہ کش نہیں ہو جاتیں، اور دریائی تہ میں جہاں کہیں موتیوں کا ذخیرہ ملتا ہے وہاں غوّاصوں کی چند کامیاب مساعی کے بعد ابرِ نیساں کی قطرہ ریزیاں اور موجوں کی گہر پروریاں ختم نہیں ہو جاتیں، مگر انسانیت کے قوانین و ضوابط کا عالم دوسرا ہے، یہاں قرنوں کے انتظار کے بعد کسی مقام کی خاک کو یمن و بدخشاں کی ہم پائگی کا اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ایک ہیرے، ایک یاقوت اور ایک کوہ نور کے بعد یہ کان بالکل خالی ہو جاتی ہے، صدیوں تک دنیا چشم براہ رہتی ہے، جب جاکر کوئی سرزمین عمّان کی ہمسر بنتی ہے لیکن ایک آبدار موتی اور ایک شاہوار گوہر کے بعد پھر اسکا دامن بالکل بے بضاعت رہ جاتا ہے۔ دَور بسر ہو جاتے ہیں، زمانے گزر جاتے ہیں، برسوں کے ہزاروں پارہ ہائے وقت نکل جاتے ہیں جب جاکر قدرت ایک آدھ انسان ایسا پیدا کرتی ہے جسکے وجود کا آئینہ سامنے رکھکر عالمِ انسانیت اپنے بگڑے ہوئے خط و خال اور زائل شدہ حُسن کی

آرائش وزیبائش کا از سرِ نو سامان کرتی ہے۔ اس کے بعد دنیا میں اندھیرا ہو جاتا ہے، اولادِ آدم کی فطرت بگڑ جاتی ہے، اُسکا حُسن لُٹ جاتا ہے، اُس کی آرائش و زیبائش ناپید ہو جاتی ہے، پھر ہر بینا آنکھ اور ہر حسّاس دل قدرت کی تازہ بخشش کا انتظار کھینچنے لگتا ہے۔

بنی نوعِ انسان کی ایک ایسی ہی نورانی صبح ۶۶۱ھ ہجری میں حرّان کے افق پر طلوع ہوئی تھی جبکہ وحوش و برابرۂ تاتار کے تباہی خیز حملے نے اسلام کی دنیوی شان و شوکت کے تمام نشان حرفِ غلط کی طرح سطحِ ارضی سے محو کر دئے تھے اور ہر طرف یاس و قنوط کی ایک تیرہ و تار رات مسلّط ہو گئی تھی۔ وہ ایک نادر بہار تھی جس نے صدیوں کی ہولناک خزاں کے بعد اسلام کے اُجڑے ہوئے حسن کی آرائش و زیبائش کا حیرت انگیز سامان فراہم کیا۔ معدنِ اسلام کا وہ ایک ایسا ہیرا اور عمّانِ علم و فضل کا وہ ایک ایسا موتی تھا جسکی تابش و ضیاء کی ایک ایک موج پر ہم لاکھوں کوہ نور اور لاکھوں تختِ طاؤس قربان کئے دیتے ہیں۔ یہ آیۃ من آیات اللہ، حجۃ قائمۃ من حجج اللہ، شیخ المصلحین، ملاذ المجددین، سند الکاملین، امام العارفین، وارث الانبیاء، قدوۃ الاولیاء، شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ کا وجود گرامی تھا جو بلا شائبہ مبالغہ قرون مشہود لھا بالخیر کے بعد کے تاریک دَور میں روشنی کا ایک ایسا پُرشوکت مینار ہیں کہ اسلام کے اگلے اور پچھلے دورۂ حیات کی وسعت و پہنائی کا ایک ایک ذرّہ اس سے آفتاب بدامن ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ۔

نام و نسب

احمد نام، ابو العباس کنیت، تقی الدین لقب، ابن تیمیہ عرف۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

تقی الدین ابو العباس احمد بن الشیخ الامام العلامۃ شہاب الدین ابی المحاسن

عبدالحلیم بن الشیخ الامام العلامۃ شیخ الاسلام مجدالدین ابی البرکات عبدالسلام بن ابی محمد عبداللہ بن ابی القاسم الخضر بن محمد بن الخضر بن عبداللہ بن تیمیہ[۵]۔

وطن اور آباؤ اجداد

دمشق کے علاقہ میں حرّان ایک مشہور مقام ہے، حضرت امام کے آباؤ اجداد یہیں کے رہنے والے تھے۔ یہ خاندان سات آٹھ پشت سے علم وفضل میں امتیاز خصوصی کا سرمایہ دار تھا، اور اسکا تقریبًا ہر فرد اپنے زمانے کے ممتاز اہلِ علم وفضل میں شمار ہوتا تھا۔ حضرت امام کے دادا شیخ عبدالسلام کی ذاتِ بابرکات نے اس علمی شہرت کو چار چاند لگا دئے۔ شیخ ممدوح ۵۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں اپنے چچا فخرالدین خطیب سے تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں عم زاد بھائی سیف الدین کے ساتھ بغداد تشریف لے گئے اور چھ سال تک وہاں حصولِ علم میں مصروف رہے۔ تعلیم سے فارغ ہوکر پھر اپنے چچا کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حافظ ذہبیؒ نے حضرت امام کے حوالے سے شیخ جمال الدین مالک کا قول نقل کیا ہے کہ "شیخ عبدالسلام کیلئے فقہ اسیطرح آسان اور نرم ہوگئی تھی جس طرح کہ حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے لوہا نرم ہوگیا تھا"۔ شیخ ممدوح نے حجاز، عراق، شام اور حرّان میں درس دیا، بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں سے منتقی الاخبار خاص طور پر مشہور ہے۔ یہ صحیح احادیث کا ایک نہایت بیش بہا مہذب و مرتب ذخیرہ ہے۔ شیخ الاسلام قاضی محمد بن علی الشوکانی نے نیل الاوطار کے نام سے اسکی شرح لکھی ہے جو ممتاز اہلِ علم کی رائے میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری کے بعد شروحِ احادیث میں عدیم النظیر کتاب ہے۔ سنہ ۶۵۲ھ میں عیدالفطر کے دن بعد نمازِ جمعہ شیخ عبدالسلام کا انتقال ہوا۔

---

[۵] الکواکب الدریہ فی مناقب الامام ابن تیمیہؒ مؤلفہ شیخ ابن یوسف الکرمی الحنبلی۔

حضرت امام کے والد ماجد شیخ شہاب الدین ابی المحاسن عبدالحلیم ۶۲۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ وہ بھی بہت بڑے عالم تھے، حافظ ذہبیؒ اُن کی نسبت لکھتے ہیں:

"اماماً محققاً کثیر الفنون وکان من انجم الھدی وانما اختفی من نور القمر وضوء الشمس یشیر الی ابیہ وابنیہ" (یعنی وہ بہت بڑے محقق تھے، بہت سے علوم پر انہیں عبور حاصل تھا، وہ ہدایت کے روشن ستاروں میں سے تھے مگر چاند کے نور اور آفتاب کی ضیا باری میں اُنکی روشنی پورے طور پر نمایاں نہ ہو سکی، چاند سے حافظ ذہبیؒ کا اشارہ شیخ عبدالحلیم کے والد ماجد شیخ مجد الدین عبدالسلام کی طرف اور آفتاب سے مراد شیخ ممدوح کے فرزند ارجمند حضرت امام ابن تیمیہؒ ہیں۔

شیخ عبدالحلیمؒ حران سے دمشق آنے کے بعد بھی درس و تدریس میں مشغول رہے اور متعدد مساجد میں درس دیتے تھے۔ شیخ موصوف کے انتقال پر اُن کی خدمات درس حضرت امام ابن تیمیہؒ سے متعلق ہو گئیں۔ شیخ عبدالحلیمؒ نے ذی الحجہ ۶۸۲ھ میں دمشق میں انتقال فرمایا، اس وقت حضرت امام کا سن اکیس (۲۱) برس کا تھا۔[۱]

عرف کی ابتدا

ابن تیمیہؒ کے عرف کی ابتدا کے متعلق دو قول منقول ہیں: پہلا قول یہ ہے: کہ "حضرت امام کے جد امجد محمد بن الخضر حج کیلئے تشریف لے جا رہے تھے، رفیقۂ حیات بھی ساتھ تھیں جو حاملہ تھیں، تیما میں پہنچے تو محمد بن الخضر نے ایک بدوی کے خیمے کے دروازے پر ایک خوبصورت اور حسین لڑکی دیکھی، فریضۂ حج سے فارغ

[۱] حضرت امام کے جد امجد اور والد ماجد کے تمام حالات جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین مؤلفہ سید نعمان خیر الدین الشہیر بابن الدوسی البغدادی سے ماخوذ ہیں۔

ہو کر وطن مالوف پہنچے تو اُن کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ جب نوزائیدہ بچی کو اُن کے پاس لائے تو یہ تیما کی لڑکی سے اِس درجہ مشابہ نظر آئی کہ بے اختیار "یا تیمیہ! یا تیمیہ!" پکار اُٹھے۔ اِس بنا پر خاندان کا یہی عرف مشہور ہو گیا۔[۵۱]

دوسرا قول یہ ہے کہ: "محمد بن الخضر کی والدہ ماجدہ کا نام تیمیّہ تھا۔ یہ بڑی فاضلہ خاتون تھیں اور وعظ فرمایا کرتی تھیں، اِنہی کی نسبت سے محمد بن الخضر کے خاندان کا عرف ابن تیمیّہ پڑ گیا۔[۵۲]"

ولادت اور ترکِ وطن

حضرت امام ۶۶۱ھ میں ۱۰ ربیع الاوّل کو (اور ایک روایت کے مطابق ۱۲ ربیع الاوّل کو) دوشنبہ کے دن کتمِ عدم سے عالمِ وجود میں تشریف لائے۔[۵۳] اِس وقت خون آشام تاتاری خلافتِ عباسیہ کی شوکت و ابہت کے مرکز یعنی بغداد کو غارت کر کے شام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تباہی و بربادی اور قتل و خونریزی کا ایک ہولناک سیلاب ان کے جلو میں چلتا تھا، جہاں اِنکے منحوس قدم پہنچتے تھے پُر رونق آبادیاں لق و دق صحراؤں میں متبدل ہو جاتی تھیں۔ عذابِ الٰہی کی اِس عافیت سوز آگ کی لپٹ حرّان تک پہنچی تو حضرت امام کے والد ماجد شیخ عبد الحلیم اپنے کُنبے کو ساتھ لیکر سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں باہر نکل کھڑے ہوئے، اتنی مہلت نہ تھی کہ گھر کا ساز و سامان ساتھ لیتے، اتنا اطمینان میسّر نہ تھا کہ سواریوں کا اچھا بندوبست کرتے خاندان کی سب سے بڑی خصوصیت علم و فضل تھی، اِس مصیبتِ عظمیٰ کے عالم میں چند

---

۵۱ الکواکب الدریّہ، طبقات ابن رجب، طبقات الحفاظ، صاحب جلاء العینین نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔

۵۲ الکواکب الدریّہ، طبقات ابن رجب۔

۵۳ الکواکب الدریّہ، القول الجلی، طبقات ابن رجب وغیرہ۔

ضروری کتابیں بے لیں اور یہی اُنکے نزدیک سب سے بڑی دولت تھی۔ تاتاری بھی قریب میں تھے لیکن ایزد برتر و توانا نے انکی دستبرد سے بچا لیا، گرتے پڑتے دمشق پہنچے یہ ۶۶۷ھ کا واقعہ ہے، اسوقت حضرت امام کا سن چھ یا سات برس کا تھا[۵]۔ اور آپ کے چھوٹے بھائی شیخ شرف الدین عبد اللہ کی عمر غالباً ڈیڑھ برس کی تھی۔

تعلیم

دمشق میں حضرت امام کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ بچپن ہی سے چہرے پر عدیم النظیر جودت و قابلیت اور فقید المثال ذکاوت و استعداد کا وہ وہبی نور جلوہ گر تھا جو آیندہ چل کر مجددیت کبریٰ کے نصف النہار پر پہنچکر سارے زمانے میں چکا چوند پیدا کرنے والا تھا۔ چنانچہ بہت ہی چھوٹی عمر میں تقریباً تمام رسمی علوم سے فارغ ہوگئے صرف، نحو، ادب، فلسفہ، قرآن، حدیث، فقہ، اصول، تاریخ غرض مروج و متداول علوم میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں پوری دسترس نہ حاصل کی ہو۔ ابھی بیس برس کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ فتوٰی دینے کے قابل ہوگئے۔

یوں تو ذہن رسا کی یہ حالت تھی کہ جس طرف متوجہ ہوئے اُسپر گنتی کے دنوں میں عبور حاصل کرلیا، لیکن حدیث و قرآن کے ساتھ انھیں خاص شغف تھا، چنانچہ اُنھوں نے حفظ قرآن سے فارغ ہوکر حدیث کی مشہور کتابوں میں سے مسند امام احمدؒ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن دار قطنی کو بارہا اپنے شیوخ سے سُنا حدیث کی سب سے پہلی کتاب جو حفظ کی وہ امام حمیدی کی الجمع بین الصحیحین تھی۔ ابن عبد الہادی ابن قدامہ لکھتے ہیں: کہ "حضرت امام کے شیوخ حدیث دو سو سے زائد تھے، انھیں میں ایک فاضلہ خاتون

---

۵ الکواکب الدّرّیہ۔

بھی تھیں جن کا اسم گرامی زینب تھا۔ فرطِ ذکا سیلانِ ذہن، قوتِ حافظہ اور سرعتِ ادراک کا یہ عالم تھا کہ اُس دَور کے عظیم الشّان فاضل ان کی حالت دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔

قوتِ حافظہ

قوتِ حافظہ کے متعلق بہت سی داستانیں مشہور ہیں۔ ابن عبد الهادی لکھتے ہیں کہ "حلب کے ایک شیخ ایک دفعہ دمشق آئے، وہاں حضرت امام کے کمالاتِ حافظہ کا شہرہ سُنا تو اُن کے دل میں امتحان کا شوق پیدا ہوا۔ حضرت امام کی عمر اُس زمانے میں بہت چھوٹی تھی اور مدرسہ میں پڑھتے تھے، جب پڑھ کر آئے تو شیخِ حلب نے انکی تختی لے لی اور اُسپر گیارہ یا تیرہ حدیثوں کے متن لکھدئے۔ حضرت امام نے سرسری طور پر اُنھیں پڑھ لیا اور بعدازاں شیخ حلب کے ارشاد کی تعمیل میں تمام حدیثیں بلا تکلف زبانی سُنادیں۔ شیخ حلب نے دوبارہ امتحان کے طور پر متعدد اسانید تختی پر لکھدیں۔ حضرت امام نے پہلے کی طرح اُنھیں بھی ایک نظر دیکھ لیا اور بعدازاں بلا تامّل ٹھیک ٹھیک سنا دیا۔ شیخ حلب اسپر بے اختیار پکار اُٹھے کہ "اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو بہت بلند مرتبہ عالم ہوگا"

یہی عدیم النّظیر حافظہ تھا جسکی بنا پر حضرت امام کے تمام اقران و معاصرین جو بلاشبہ نہ محض اپنے دَور کے اجل شیوخِ علم وفضل تھے، بلکہ بہت سے ادوار کے منتخب اصحابِ قلم ولسان میں انھیں بہت بڑا امتیاز حاصل ہے، بیک آہنگ حضرتِ امام کی فقید المثالی کے معترف تھے۔ چنانچہ کوئی بزرگ لکھتا ہے کہ "چار سو سال سے اِن جیسا عالم پیدا نہیں ہوا" کوئی کہتا ہے کہ "تمام علوم ابن تیمیہؒ کی آنکھوں کے سامنے بکھرے پڑے ہیں، وہ جس چیز کو چاہتے ہیں اُٹھا لیتے ہیں"

کسی کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہے کہ "جس حدیث کو ابن تیمیہؒ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں"۔ اور یہی عدیم النظیر حافظہ تھا جسکی بنا پر دورانِ حبس وقید میں سینکڑوں رسالے ہزاروں فتوے اور متعدد ضخیم کتابیں لکھدیں، اور تمام کی تمام تحریرات آیات، احادیث اور اقوال وارشاداتِ علماء وائمہؒ سے لبریز ہیں۔ متعدد اختراعی اور موضوع احادیث پر مفصّل جرح کرتے ہیں مگر ایک کتاب بھی پاس نہ ہوتی تھی سب کچھ محض حافظہ ہی سے لکھتے تھے۔ اور آج کتابیں سامنے رکھ کر نقل کرنیوالے صحتِ نقل کا اس سے بہتر نمونہ پیش نہیں کر سکتے۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں بہ ضمن حالات امام ابن تیمیہؒ بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

"در معرفتِ علمِ حدیث اعجوبۂ روزگار بود، و در حفظِ متونِ صحاح وغالبِ متونِ سنن ومسانید عقارب ومدان او دیدہ نشد۔ فنِ تفسیر خود مسلّم باوست، در استحضار آیاتِ قرآنیہ وقتِ اقامتِ دلیل بر مسئلہ قوّت عجیب داشت"۔ پھر فرماتے ہیں:

در فہمِ قرآن ومعرفتِ حقائقِ ایمان یگانۂ دہر بود۔

حدیث کی بہت سی کتابیں مختلف شیوخ سے پڑھیں، جن کے اسماء کی تفصیل کی یہ مختصر سی سرگزشت متحمل نہیں ہو سکتی۔ پھر خود اُن کی مزاولت میں مصروف رہے۔ اپنے ہاتھ سے کتابیں نقل کیں۔ فقہ اور اصول کا علم اپنے والدِ بزرگوار اور شیخ شمس الدین ابن ابی عمرؒ سے حاصل کیا، اور عربیت کی تحصیل کے لئے ابن عبد القوی کے آگے زانوئے ادب تہ فرمایا۔

باب (۲)

تحریکِ تجدید کا آغاز اور ابتدائی مُصیبتیں

والد کا انتقال اور خدمتِ درس

اس زمانے میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ۲۱ برس کے تھے کہ ان کے والد ماجد نے وفات پائی۔ وہ متعدد درسگاہوں میں درس دیا کرتے تھے، ان کے بعد تمام مناصب حضرت امام سے متعلق ہو گئے۔

سنہ ۶۸۳ھ میں حضرت امام نے دمشق کے مشہور دار الحدیث میں سب سے پہلا درس دیا، وقت کے بڑے بڑے اربابِ علم و فضل بغرضِ استفادہ اِس درس میں شریک ہوئے جن میں سے قاضی القضاۃ شیخ بہاء الدین زکی، شیخ تاج الدین خزاری، شیخ زین الدین ابن مرجل اور شیخ زین الدین ابن المنجائے کے اسماءِ گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت امام نے بسم اللہ کے متعلق اتنے حقائق و معارف بیان فرمائے کہ تمام حاضرین ان کے تبحر پر حیرت زدہ رہ گئے شیخ تاج الدین خزاری نے ساری تقریر حرف بحرف قلمبند کی۔ اس کے ساتھ ہی جامع مسجد میں بعد نمازِ جمعہ تفسیر کے درس کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس تفسیر کا اندازہ صرف اِسی بات سے ہو سکتا ہے کہ سورۂ نوح کی تفسیر کئی سال میں ختم ہوئی تھی۔

شہرتِ علم و فضل

چھ سات سال کی مدت میں حضرت امام کے علم و فضل کا شہرہ عام ہوگیا۔ ۶۹ھ میں قاضی القضاۃ کا منصب ان کی خدمت میں پیش کیا گیا، ایک نوجوان شخص جس پر زندگی کی ابھی تیس بہاریں بھی نہیں گزری تھیں، دنیاوی نقطۂ خیال سے اس سے بڑھ کر اور کس چیز کا متمنی ہوسکتا تھا؟ لیکن حضرت امام کی آنکھوں کے سامنے خدمتِ دین کی ایک دوسری دنیا تھی جہاں لاکھوں مناصب قضاء ریت کی ذرّوں کی طرح اِدھر اُدھر بکھرے پڑے ہیں، اور انکی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا قاضی ہر روز ہزاروں نہیں تو کم از کم سینکڑوں ضرور پیدا ہوتے ہیں مگر تاجدارانِ تجدید و اصلاح کی بخشش میں قدرت کا ہاتھ اتنا کشادہ اور کریم نہیں ہے۔ حضرت امام نے بلا تأمل منصبِ قضا کی قبولیت سے انکار فرمادیا، اور ہر قسم کے قیود سے علیحدہ رہکر خدمتِ دین ہی کو اپنا وظیفۂ حیات قرار دیا۔ ۶۹۱ھ میں فریضۂ حج کی بجا آوری کیلئے تشریف لے گئے، جب واپس آئے تو زمانے کی فضا ان کے علم و فضل کی گونج سے لبریز تھی۔

راہِ تجدید و اصلاح

اس ہر دلعزیزی کے ساتھ مخالفت کا مادہ بھی پرورش پا رہا تھا، اور وہ عناصر آہستہ آہستہ جمع ہو رہے تھے کہ جن کی ٹکر سے حضرت امام کے منصبِ فاتحیت و قطبیت کی حقیقی روشنی دنیا میں جلوہ گر ہونے والی تھی۔

لوہے کو بھٹی میں ڈال کر پگھلانے کے لئے کس درجہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس عملِ تلیین و تحلیل میں پگھلانے والے کے اعضاء و جوارح کو کتنی محنت

مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے؟ یقین جانیئے کہ اس مادی حرارت کو اُس حرارت ایمانی وروحانی سے کوئی نسبت نہیں جو مجددین و مصلحین کو انسانی فطرتوں کے جمود اور انسانی خیالات کی بستگی کے دُور کرنے کیلئے استعمال کرنی پڑتی ہے۔ اور لوہے کو پگھلانے والے کی عافیت سوز محنت و مشقت کو قائدینِ اقوام و اُمم کی اُس محنت و مشقت کے مقابلے میں کوئی حیثیت حاصل نہیں جو وہ صدیوں کی قائم شدہ رسوم باطلہ اور قرنوں کے جمے ہوئے خیالاتِ فاسدہ کی اصلاح و درستی میں برداشت کرتے ہیں۔ انسان ایک درخت کو جڑ سے اُکھاڑنا چاہے تو اُسے گھنٹوں اپنا لہو پسینہ بنا کر بہانا پڑتا ہے۔ بدعات و محدثات کے جو خار دار درخت انسانی فطرتوں کی سنگلاخ زمینوں میں اُگ آتے ہیں اور صدیوں کی موافق آب و ہوا میں پرورش پاکر اپنی جڑیں تہ تک پہنچا دیتے ہیں، کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان کے استیصال میں کیا کیا مشقتیں اور محنتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں؟ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ انسانی قلوب و ارواح کے ریگ زاروں کو لہلہاتی کھیتیوں اور خوش منظر مزرعوں کی صورت میں بدلنے والوں کے دست و پا مجروح ہو جاتے ہیں، جسم کی ایک ایک رگ جراحت زار بنجاتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ ان کی مبارک پیشانیوں کے مقدس خون سے انکے مبارک پاؤں رنگین ہوئے ہیں، ان کی ننگی پیٹھوں پر تازہ دم جلادوں نے پے در پے ستر ستر تازیانے لگائے ہیں، ان کے نازک ہاتھوں اور پاؤں میں بوجھل بیڑیاں ڈالی گئی ہیں، انھوں نے سالہا سال تک قید خانوں کی مصیبتیں برداشت کی ہیں، اور سب سے آخر میں انھیں اپنے خونِ حیات سے انسانی فطرتوں کے بے آب وگیاہ خطوں میں چمن بندی کرنی پڑی ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے لیکر عام اعاظم رجال تک ہر شخص کے سوانحِ حیات پڑھ جاؤ تم قدم قدم پر فاتحیت کا طمطراق اور کامرانی و فائز المرامی کا غیر مسخر یقین پاؤ گے، وہ تمھیں شکست کی

حالت میں بھی پُر شوکت سلطانوں کی طرح گردن فراز نظر آئینگے۔ نہایت الم انگیز و اذیت افزا سختیوں اور شدتوں کے شکنجوں میں بھی اُن کے چہروں پر بے پروائی کی تمکنت و استغنا کا جلال کارفرما دکھائی دیگا، ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ ابھی فیروزمندی و کامگاری کی مسند سے اٹھ کر آئے ہیں، مگر انکی زندگیوں کے سارے مرقع میں تمھیں دنیوی راحت و آسائش اور مادی آرام و سکون کا کوئی مدھم سا نقش بھی نظر نہ آئیگا، اس کتاب کا جو ورق الٹوگے اُس میں تیرگیٔ مصائب و آلام کی سیاہی ہوگی، خونِ حیات کے سُرخ خطوط و جداول ہونگے۔ اسکے سوا کچھ نہ ہوگا۔

حضرت امام کا مقام

حضرتِ امام ابن تیمیہؒ بھی بدعات و محدثات دیرینہ کی باطل رگوں کے لئے الٰہی تلوار تھے، اور اس تلوار کے بے نیام ہوتے ہی مراکزِ بدعات و محدثات اور منابعِ اوہام و اہوا کا چیخنا، چلانا اور آہ و زاری سے آسمان سر پر اٹھا لینا ایک طبعی امر تھا۔ یہی چیخ پکار تھی جس نے حضرتِ امام کی ساری زندگی کو ابتلا و محنت کا ایک نہایت المناک غمنامہ بنا دیا۔ لیکن استقامت کا وہ ہمالہ اور عزیمت کا وہ البرز مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ پر جما رہا اور مخالفت کے ہر جھکڑ اور معاندت کے ہر طوفان کا عمر بھر مقابلہ کر کے سنّت محضہ اور طریقۂ سلفیہ کو اس طرح کھول کر دکھلا گیا، نہ صرف کھول کر دکھلا گیا بلکہ اُس پر عامل ہو کر بتلا گیا کہ دنیا کی مہجور و بے نصیب آنکھیں قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد پھر اسلام کے حقیقی حسن اور دینِ قیم کی کیف انگیز رعنائی سے نظارہ آشام ہوئیں، اور آج چودہ سو سال کے بعد ہم دور افتادگانِ عہدِ مبارکۂ نبوت و خلافتِ راشدہ، ہم حیرت زدگانِ ظن و تخمین و جدل و خلاف اور ہم سراسیمگانِ اقوالِ متخالفہ و آراء متناقضہ زید و بکر و عمر

اِس تاجدارِ مجددیتِ کبریٰ اور اس خزینہ دارِ وراثتِ کاملۂ نبوت کے آئینہ میں دینِ حق کا خالص، بسیط اور غیر ممزوج نور دیکھ سکتے ہیں۔

مخالفت کے فتنے کا آغاز

حضرت امام کے خلاف مخالفت کے فتنے کا آغاز سب سے اول غالباً ۶۹۰ھ میں ہوا۔ اِس کی بناء یہ تھی کہ: حضرت امام نے ایک روز جمعہ کی نماز کے بعد صفاتِ باری تعالیٰ کے موضوع پر وعظ کیا تھا، جس میں اندازو اسلوبِ متکلمین اور سالکِ مشاربِ خوشہ چینانِ یونانیات سے کنارہ کش ہو کر اسلافِ کرام کے مسلکِ حقہ کی تصریح فرمائی تھی۔ حقیقت ناشناس جو صدیوں سے اغیار کی ظنی ژولیدہ بیانیوں کو اندوختۂ یقین و ایمان سمجھنے کے عادی ہو چکے تھے، یہ غریب اور اجنبی آواز سُن کر بہت برہم ہوئے۔ لیکن قاضی القضاۃ شیخ شہاب الدین اور شیخ شرف الدین المقدسی کی تائید و اعانت سے یہ فتنہ بہت جلد فرو ہو گیا۔ اِس کے بعد آٹھ سال بخیر و عافیت گزر گئے۔ ۶۹۸ھ میں مخالفت کا فتنہ زیادہ شد و مد کے ساتھ ظاہر ہوا، اسکا فوری سبب یہ ہوا کہ حضرت امامؒ نے ایک استفتاء کے جواب میں ظہر و عصر کے مابین قلم برداشتہ ایک مبسوط تحریر مرتب فرما دی تھی جو اِن کی تصانیف میں عقیدۂ حمویہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تحریر ۶۹۰ھ کے وعظ کی تفصیل تھی، یعنی اِسمیں متکلمین کے تخمینی اور ظنی مذہب کی غلطیاں واضح کر کے علماءِ حق اور سلفِ صالح کا مذہب و مسلک پیش کیا گیا تھا۔

اِس فتنے کا فوری سبب اگرچہ عقیدہ حمویہ ہی تھا مگر دوسرے اسباب بھی اِسکے مؤید ہوئے تھے، مثلاً ایک جماعت حضرت امام کے عدیم النظیر علم و فضل اور ہمہ گیر شہرت و ہر دلعزیزی کے باعث انکی مخالف ہو رہی تھی۔ اِس مقام بلند تک

اُس جماعت کی دسترس نہ تھی، جہاں حضرتِ امام یکہ و تنہا تاجداری کر رہے تھے۔ لہٰذا یہ قدرتی امر تھا کہ اُن کے دل میں حسد و بغض کی آگ بھڑکتی اور اُنکی دیانت وانصاف کے نیم سوختہ اور بے حقیقت سے خرمن کو بالکل راکھ کا ڈھیر بنا دیتی۔ اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نائب السلطنتِ دمشق حضرت امام کا بیحد معتقد تھا اور ہر لحظہ اُنکی صحبت سے استفادہ کا اشتیاق ظاہر کرتا رہتا تھا۔ تنگ نظروں، تہی دامنوں اور تنگ ظرفوں کی حرصِ شہرت طلبی اور ہوسِ جاہ پرستی کے بڑے ہوئے رَوِ سمند پر یہ سبب سے زبردست تازیانہ تھا، اِس اندر ہی اندر سُلگنے والی آگ کو عقیدہ حمویہ کے سلسلے میں عریاں ہو کر بھڑکنے کا اچھا موقع نظر آیا۔ چنانچہ تمام مفسدین فرداً فرداً قضاۃ و فقہا کے پاس پہنچکر انھیں حضرت امام کے خلاف مشتعل کرنے لگے، اِس ناشائستہ مقصد کی تکمیل کے لئے اُنھوں نے عقیدہ حمویہ کے مطالب و معانی کی تحریف و تصریف میں بھی تامّل نہ کیا، اور کذب و افترا پردازی سے بھی اُنکے حسد سوختہ ضمیروں کو شرم نہ آئی۔ عام طور پر یہ تہمت تراشی جانے لگی کہ تجسیم کے قائل ہیں، وہ خالقِ موجودات اور فاطرِ کائنات کے لئے اعضاء و جوارح اور جہت ثابت کرتے ہیں۔ جلال الدین قاضی احناف بھی مفسدین کی اِن بے سر و پا باتوں میں آ گئے، اُن کے ہمنوا بن گئے اور سب کی قیادت فرماتے ہوئے دار الحدیثِ اشرفیہ میں پہنچے اور حضرت امام کو طلب کیا۔ حضرت ممدوح نے حاضری سے انکار فرما دیا اور لکھ بھیجا کہ عقائد کے فیصلہ کا معاملہ آپ سے متعلق نہیں، لوگوں کے مابین حَکَم بننے کا منصب سلطان کیلئے مخصوص ہے۔ اِس جواب اور حاضری سے انکار نے قاضی جلال الدین کو اور زیادہ برانگیختہ کر دیا، دشمنوں نے اُنھیں اکسایا کہ "دیکھا آپ کی طلبی پر ابن تیمیہؒ نہیں آئے"! قاضی جلال الدین نے غیظ و غضب کے عالم میں حکم دے دیا کہ "ابن تیمیہؒ کا عقیدہ باطل ہے" اور اسکے

اعلان کیلئے مناد متقرر کردیئے ۔ نائب السلطنت کو اس فتنے کی اطلاع ملی تو اُس نے منادوں اور اُنکے حامیوں کو سزائیں دیکر خاموش بٹھادیا۔

اس کے بعد قاضی امام الدین شافعی نے ایک مجلس میں حضرت امام سے عقیدہ حمویہ سُنا جس میں جو جو مقام تشریح طلب معلوم ہوئے حضرت امام نے اُنکی تشریح فرمادی۔ تمام حاضرین نے عقیدہ حمویہ کے صحیح و درست ہونے کا اعتراف کیا۔ قاضی امام الدین نے بعد اختتامِ قرأتِ عقیدہ علی الاعلان فرمادیا کہ "جو شخص ابن تیمیہؒ پر اعتراض کریگا میں اُسے سزا دوں گا"۔ بہرحال یہ فتنہ فرو ہوگیا۔

نصر المنجبی کی فتنہ انگیزی

چند سال تک مخالفت کی آگ دبی رہی۔ ۷۰۵ھ میں نصر منجبی نے مصر میں اُسے پھر بھڑکایا۔ نصر کو قاہرہ کے اربابِ دولت میں زبردست رسوخ حاصل ہوگیا تھا۔ ابن عربی اور ابن سبعین وغیرہ قائلینِ وحدت الوجود کا بہت معتقد تھا۔ حضرت امام تک یہ خبر پہنچی تو اُنھوں نے نصر کو ایک طویل مکتوب بھیجا جو "جلاء العینین" میں منقول ہے۔ اس مکتوب میں نصر کے معتقدات کا تفصیل کے ساتھ رد لکھا۔ مکتوب پڑھتے ہی نصر حضرت امام کے خلاف فتنہ انگیزی میں مصروف ہوگیا۔ اُس نے اربابِ دولت و اصحاب کے پاس حضرت امام کے خلاف بہت سی بے سروپا اور بے اصل باتیں بیان کیں، معاذاللہ حضرت ممدوح کو مبتدع بھی ظاہر کیا اور کہا کہ لوگوں کو اس کے شر سے بچانا چاہیئے۔ قاضی ابن مخلوف المالکی اور رکن الدین بیبرس جاشنگیر بھی نصر کے حامی بن گئے۔ ابن مخلوف نے یہاں تک فتنہ انگیزی کی کہ اُمراء کے دل میں یہ شبہ پیدا کردیا کہ "ابن تیمیہؒ بھی ابنِ تومرت کی طرح قیامِ سلطنت کے خواہاں ہیں" اور

اِس طرح ایک سیاسی خطرہ ظاہر کر کے اُنھیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ علماءِ سوء عموماً اسی حربے سے کام لیا کرتے ہیں۔ اور حضرت امام کے خلاف جو فتنے اُٹھے اُن میں اِس خطرے کی خفیہ کار فرمائی سب سے بڑھکر شامل تھی۔

حضرت امام کے شاگردِ رشید حافظ ابن القیمؒ نے اپنے مشہور قصیدہ نونیہ میں علمائے سُوء کا جو خاکہ کھینچا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے سارے خط و خال انھیں علماء سے لئے گئے ہیں جو حضرت امام ابن تیمیہؒ کے درپے آزار تھے۔ حافظ صاحب کیا خوب فرماتے ہیں: ؎

ما عندهم علمٌ سوى التكفير والتبديع والتضليل والبهتان

واذا تيقن انه المغلوب عند تقابل الفرسان في الميدان

قالوا اشتكوه الى القضاة فانهم حكموا والا اشكوا الى السلطان

قولوا له هذا يحيل الملك بل هذا يزيل الملك مثل فلان

فاعقره من قبل اشتداد الامر منه بقوة الاتباع والاعوان

واذا دعاكم للرسول وحكمه فادعوه كلكم الى اي فلان

واذا اجتمعتم في المجالس فالغطوا والغوا اذا ما احتج بالقرآن

واستنصروا بمحاضرٍ وشهادةٍ قد اصلحت بالرفق والاتقان

لا تسئلوا الشهداء كيف تحملوا وبأيّ وقت بل بأيّ مكان

آخرِ کار سلطانی حکم آیا کہ "نائب السلطنت اخرم حضرت امام کے عقائد کا جائزہ لیں"۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں اخرم نے ۸۔رجب ۷۰۵ھ میں علماء و فضلا اور قضاۃ کو جمع کیا۔ حضرت امام عقیدہ واسطیہ لیکر مجلس میں آئے، کتاب مجلس میں سُنائی، اس کے بعض حصص کے متعلق مباحثہ و مناظرہ ہُوا اور بقیہ حصص کو دوسری صحبت پر ملتوی کر دیا۔

۱۰۔ رجب کو بعد نماز جمعہ پھر مجلس منعقد ہوئی۔ اُس روز مخالفین کے ساتھ شیخ صفی الدین ہندی بھی شامل ہوگئے۔ مخالفین نے باتفاق شیخ صفی الدین کو رئیسِ مناظرہ مقرر کیا، لیکن بعدازاں اُنکے بجائے یہ خدمت شیخ کمال الدین بن الزملکانی کے سپرد ہوئی۔ مناظرہ میں حضرت امام نے تمام معترضین کا منہ بند کردیا، اور سب کو تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت ممدوح کے عقاید اہلِ سنّت کے عقائد ہیں۔ لیکن مخالفین کی فتنہ انگیزی ختم نہ ہوئی، اُنھوں نے حضرت امام کے کلام میں تحریف سے کام لیا، جو کچھ انکی زبان سے نکلا تھا اُسے غلط معانی پہنائے۔ ابن الوکیل اور اُسکے معاونین نے یہ طعنہ زنی شروع کردی کہ: "حضرت امام نے اپنا عقیدہ بدل لیا ہے۔" نائب السلطنت اُس وقت دار الحدیث میں موجود نہ تھا، ابن الوکیل کے آدمیوں نے حضرت امام کے اصحاب کو بہت تکلیفیں دیں۔ جب واپسی پر نائب السلطنت کو تمام حالات معلوم ہوئے اُس نے ابن الوکیل کے بعض حامیوں کو قید کی سزا دی۔ لیکن چونکہ فتنہ بہت بڑھ رہا تھا اس لئے رفعِ فساد کی خاطر منادی کرادی کہ "جو شخص اِن عقاید کا اظہار کریگا اُسے سخت سزا دی جائیگی۔"

۷۔ شعبان کو تیسری مجلس منعقد ہوئی جس میں تمام لوگوں نے حضرت امام کے عقائد کی حقانیت کا صاف صاف اقرار کرلیا۔ ۱۶۔ شعبان کو سلطان کی طرف سے حکم آگیا کہ "امام ممدوح پر جو الزام لگائے گئے تھے وہ غلط تھے اور وہ سلفِ صالح کے مذہب پر ہیں۔" اِس پر تھوڑی دیر کے لئے مخالفت کی آگ پھر فرو ہوگئی۔

باب (۳)

جہاد بالسیف

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام کی مجددیتِ کبریٰ کے سب سے ممتاز پہلو کا ایک منظر بھی پیش کر دیا جائے۔ یہ منظر کیا ہے؟ علمی کاوش و تحقیق کا انہماک نہیں، درس و تدریس کی مسند گستری نہیں، بحث و مناظرہ کی محفل آرائی نہیں، زہد و عبادت کی زاویہ گزینی نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کی سب سے اہم، سب سے اعلیٰ اور سب سے آخری منزل یعنی میدانِ غزا و قتال بالسیف کی شہسواری و شہب تازی ہے، اور شہادت علی الحق کے بلند ترین مقام اور رفیع ترین منصب کی تاجداری و فرمانفرمائی ہے۔ اس حقیقت سے کوئی صاحبِ بصیرت انکار نہیں کر سکتا کہ تجدید و احیاء کے دوسرے مقامات و مناصب میں بھی حضرت امام ابن تیمیہ کی شان سب سے الگ ہے، تاہم کئی لوگ ہیں جو ان مقامات میں تگ و دو کے دعویدار ہیں، اس تگ و دو کو امام کی شانِ یکہ تازی سے کوئی نسبت ہو یا نہ ہو لیکن نفس تگ و دو میں اشتراک کی نفی محال ہے۔ لیکن میدانِ عمل اور عرصۂ قیادت و ریاستِ عساکرِ مجاہدین کے اعلیٰ مقام کا شرف علم و فضل کی کسی مشہور گدی، وعظ و خطابت کے کسی بلند منبر، تحکیم و افتاء کی کسی اونچی مسند اور زہد و عبادت کے کسی مقدس سجادہ کو بھی حاصل نہ ہوا۔ اور یہی وہ مخصوص تکرم اور باعثِ صدر شک اعزاز ہے

جس نے حضرت امام ابن تیمیہؒ کے منصب مجددیت کو وراثتِ کاملہ نبوت کی سب سے اونچی چوٹی پر پہنچا دیا ہے۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

یہ رُتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

خصائصِ تجدید

علامہ شبلی مرحوم نے حضرت امام کے سوانح حیات پر جو مختصر سا مضمون لکھا تھا اُسکے آغاز میں وہ مصلحین و مجددین کے لئے تین شرطیں ضروری قرار دیتے ہیں:

(۱) مذہب، علم یا سیاست میں کوئی مفید انقلاب پیدا کرے۔

(۲) جو خیال اُسکے دل میں آیا ہو کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو بلکہ اجتہاد ہو۔

(۳) جسمانی مصیبتیں اُٹھائی ہوں، جان پر کھیلا ہو، سرفروشی کی ہو۔

اِن شرائط کی تصریح کے بعد علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ:

تیسری شرط اگر ضروری قرار نہ دی جائے تو امام ابو حنیفہ، امام غزالی، امام رازی اور شاہ ولی اللہ اس دائرہ میں آسکتے ہیں۔ لیکن جو شخص ریفارمر (مصلح و مجدد) کا اصلی مصداق ہوسکتا ہے وہ علامہ ابن تیمیہؒ ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ مجددیت کی اصلی خصوصیتیں جسقدر علامہ کی ذات میں پائی جاتی ہیں اُسکی نظیر بہت کم مل سکتی ہے۔

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے حرف بحرف درست ہے بلکہ اصل حقیقت اس سے بہت زیادہ ہے جتنی کہ بیان کی گئی ہے۔ اِس سے یہ مقصود نہیں کہ خدانخواستہ ہم کسی امام کسی بزرگ یا کسی واجب الاحترام ہستی کی تنقیص کریں؟ حاشا وکلا ہر بلند مرتبت ہستی اپنے دائرے میں وقت کی بہترین کارفرما اور اپنے عہد کے احوال و

ظروف اور مقتضیات وضروریات کے لحاظ سے بہترین مجاہد تھی، لیکن علم وعمل کے مختلف شعبوں اور مختلف دائروں میں اساسی و بنیادی تجدید واحیاء کا جو بار گراں حضرتِ امام ابن تیمیہؒ کے دوشِ ہمت پر آپڑا تھا، ان کا عالم دوسرا تھا، اور اس پیکرِ عزیمت و تاجدارِ اعظم مجددیت نے بیک وقت تمام مختلف الانواع اور مختلف الدوائر ضروریات واحتیاجات کی جس احسن طریق پر تکمیل کی اسکی نظیر سے ہزاروں عظیم الشان ہستیوں کے دامنہائے اعمال خالی ہیں، علی الخصوص قیام جہاد وقتال فی سبیل اللہ کی گلگوں قبا علم واجتہاد کے کسی علم بردار کو بھی عطا نہ ہوئی الا ما شاء اللہ۔

حضرت امام کی شان

اس سے بھی بڑھکر قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہؒ کے سرفروشانہ جہاد کا سلسلہ محض اپنی ذات پر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ اُنکے اندر جو آسمانی حرارت شعلہ زن تھی وہ ہزاروں تاریک ہستیوں اور ہزاروں افسردہ دلوں میں حیاتِ تازہ اور زندگیِ نو کا سامان بنی، اور یہی مجددیت کی حقیقی شان ہے۔ کلمۃ الحق کی نصرۃ وتائید اور دینِ الٰہی کی سربلندی وسرفرازی کیلئے تلوار پکڑ کر سرفروشانہ میدانِ جنگ میں پہنچ جانا بہت بڑا کام ہے تاہم یہ کام آسان ہے۔ ایک انسان اپنی جان پر ہر قسم کے جبر کرسکتا ہے، اُسے ہر نوع کی تکلیفوں اور مصیبتوں کے صابرانہ مقابلے کیلئے تیار کرسکتا ہے۔ اس دنیا میں لاکھوں انسان ایسے ہوگزرے ہیں جنھوں نے قربانی کی اس منزل میں اپنے خون کا دائمی نقش ثبت کیا، لیکن جبن، بزدلی اور وہن کی تباہ کی ہوئی جماعتوں اور قوموں میں جرأت، بے باکی، تہور اور سرفروشی کی روح پیدا کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ یہی کام ہے جو مجددین انجام دیتے ہیں

اور یہی وہ منزل ہے جسے حضرت امام ابن تیمیہؒ نے اِس برق رفتاری اور اس سُرعت کے ساتھ طے کیا کہ اُن سے پہلے یا اُن کے بعد خالصتہً علم کے حلقہ کا کوئی فرد بھی اسکی نظیر پیش نہیں کرسکتا۔ وہ اُٹھے اور ہوا کی ہر رو میں بہ نکلنے والے ریت کے ٹیلوں کو البرز و الوند کی ناقابلِ تسخیر پختگی و استقامت سے معمور فرما گئے، ان کا جذبۂ سرفروشی محض اپنے جسم کو قربانی کی منزل میں لانے تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اپنے زمانے کے ہزاروں مُردہ اجسام میں اُنھوں نے ایک ایسی روح پیدا کردی کہ وہ اُن کے ساتھ قربانی کے میدان میں آئے اور وقت کے فریضہ کو بہتر سے بہتر طریقے پر ادا کرنے کا مظاہرہ کر گئے۔ یہ وظیفۂ مجددیت کی بجاآوری کا وہ مقام ہے جہاں نظر صدیوں کی مسافت طے کرنے کے باوجود امام ابن تیمیہؒ کے سوا اور کسی کو نہیں پاتی۔

عالمِ اسلام کی حالت

حضرت امام کا ابتدائی زمانہ تاریخ اسلام کا نہایت تاریک دور سمجھا جاتا تھا۔ بربرہ وحوش تاتار مشرق میں عربی خلافت کی قبا کے ٹکڑے اُڑا چکے تھے، چھ صدیوں کے پُر شوکت اسلامی تمدن کا قصر اس طرح برباد ہو چکا تھا کہ ڈھونڈے سے اُس کی ایک اینٹ بھی کہیں دستیاب نہیں ہوتی تھی۔ بحیرۂ خوارزم شاہ سے لیکر دجلہ کے کنارو تک خدا کی زمین پچاس لاکھ فرزندانِ توحید کے خون سے سرابور تھی۔ وہ پُر رونق شہر جو اپنے عہدِ اوج و عروج میں علم و فضل اور سلطنت فرمائی کے ایسے بیش بہا گوہر تاریخ کے دامن میں ڈال چکے تھے کہ زمانہ آج تک انکی نظیر پیدا نہ کرسکا، اِس طرح مٹ چکے تھے کہ اُن کا نشان بھی باقی نہ رہا تھا، ہر جگہ مسلمانوں کا خون بہ رہا تھا، ہر جگہ مسلمانوں کی لاشیں ٹھوکریں کھا رہی تھیں، ہر جگہ اسلام کے ناموسِ فاتحیت پر پے در پے مہلک ضربیں پڑ رہی تھیں، ہر جگہ ملتِ بیضا کا اندوختۂ عزت و حرمت لُٹ رہا تھا سلطنت

کا چراغ بجھ چکا تھا، بزمِ علم کی بساط اُلٹ چکی تھی، ہر سمت اندھیرا تھا، ہر طرف تاریکی تھی، جدھر نگاہ اُٹھتی تھی یاس و نومیدی کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے، تفرق و تحزّب کا گھن پہلے ہی بنیاد کھوکھلی کر چکا تھا، سیلابِ حملۂ تاتار نے ظاہری نشان بھی مٹا دئیے۔ ہمتیں پست تھیں، دماغ ماؤف تھے، قوائے غور و فکر معطل تھے، علومِ اصلیۂ شریعت یعنی قرآن و حدیث ظنی اور قیاسی اقوال و آراء کے نیچے اس طرح دب گئے تھے کہ کسی کو اُن کا خیال بھی باقی نہ رہا تھا، غیر اسلامی بدعات و محدثات کو دین سمجھا جاتا تھا، خانقاہیوں اور صوفیوں نے اپنے اپنے حلقوں میں دلوں اور دماغوں پر بے طرح قبضہ جما لیا تھا۔ غرض ٹھیک ٹھیک وہ حالت طاری ہو گئی تھی جو اقوام و امم کے تنزل کی آخری منزل کا نشان ہے اور جس کے باعث دنیا کی صدہا اقوام فنا ہوئیں۔ بقولِ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد:

> "اصلاح کی تمام پچھلی قوتیں ختم ہو چکی تھیں، اور فساد کے تمام تخم آئندہ کے لئے پھل پھول رہے تھے"۔

حضرت امام کا کام

یہ حالت تھی جس وقت مجددیت کا منصب حضرت امام ابن تیمیہؒ کے حوالے ہُوا۔ علم و عمل کا ہر دائرہ تجدید کا محتاج تھا، زندگی کی ہر منزل اصلاح کیلئے پکار رہی تھی، وادیٔ حیات کا ہر ذرہ ایک ایسے شہسوارِ وقت کی اشہب تازی کیلئے مضطرانہ تڑپ رہا تھا جو اسکی تمام افسردگیوں اور بے جوشیوں کا خاتمہ کر کے پھر اس میں نئی روح، نئی قوت اور نیا زور پیدا کر دے۔ حضرت امام ابن تیمیہؒ اُٹھے اور انھوں نے ایک ہی وقت میں ہر دائرۂ عمل کی طلب و احتیاج اور ہر شعبۂ حیات کی تڑپ اور پکار کا جواب دے دیا، ملکوں اور قوموں کی کایا پلٹ دی، افراد کا زاویۂ نگاہ منقلب

کر ڈالا، یاس کی خاک سے امید پیدا کی، بزدلی کے کلبۂ احزان میں ہمت و جوانمردی کا چراغ جلایا، ظنون و قیاسات کی تاریکی میں یقین و ایمان کا نور پھیلا دیا، آثار و علائم شرک کے کھنڈروں پر توحید کی عمارت کھڑی کی۔ ایک ہی وجود اور ایک ہی زندگی نے وہ سب کچھ کر ڈالا جس کیلئے ہزاروں وجودوں اور ہزاروں زندگیوں کی اجتماعی محنت و مشقت بھی کافی نہ ہو سکتی تھی۔ مجددیتِ کبریٰ کا یہی وہ مقام ہے جہاں ابن تیمیہؒ صدیوں کی تاریکی میں سب سے بلند چوٹی پر تنہا کھڑا ہے، اتنا بھی نہیں ہوا کہ کسی کا طرۂ دستار اس کے پاؤں کو چھو سکے۔

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: "اما شجاعته فبها تضرب الامثال ویتشبه اکابر الابطال حتی کانه لیث حرب" یعنی حضرت امام کی شجاعت و جواں مردی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے، میدانِ رزم و پیکار کے بڑے بڑے تیغ زنوں کے مشابہ ہے، بلا شائبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ عرصۂ جنگ کے شیر تھے"۔ بقیہ سوانح نگاروں کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ "ان کی جرأت و پامردی اور جوشِ جہاد حدِ وصف و حیزِ بیان سے باہر ہے" کوئی کہتا ہے کہ "وہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر شجاع اور سب سے بڑھ کر پُر حوصلہ تھے، دشمنوں کے مقابلے میں ان سے بڑھکر پامرد کوئی دیکھنے میں نہیں آیا، فتح عکہ میں انھوں نے ایسے حیرت انگیز کارنامہائے شجاعت انجام دیئے کہ بیان نہیں ہو سکتے[۵۱]"۔

ابتدائی خدمات

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت امام کی زندگی کے ابتدائی دور ہی میں تاتاریوں نے شام پر پیشقدمی شروع کر دی تھی۔ ۶۹۸ھ میں جبکہ حضرت امام کی

---

۵۱ تفصیل کیلئے دیکھو "الکواکب الدریہ"۔

عمر صرف ۱۸ یا ۱۹ برس کی تھی۔ ہلاکو خاں کا پڑپوتا قازان خاں حملہ آور ہوا، سلطان ناصر بادشاہِ مصر نے مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی۔ قازان حمص پر قابض ہوگیا، اس سے دمشق میں ابتری پھیلی اور عام غارتگری شروع ہوگئی۔ حضرت امام یہ حالت دیکھکر خود قازان کے پاس گئے اور اس سے امن کا فرمان لے کر آئے۔ عام لوگ تو اس سے مطمئن ہوگئے مگر اہلِ فوج نے شہر میں لوٹ مار شروع کردی۔ حضرت امام نے شیخ الشیوخ نظام الدین محمود کو ساتھ لیکر شہر کا بند و بست کیا اور امن و امان قائم کردیا۔ بعد ازاں تاتاری بیت المقدس پر بڑھے اور ہزاروں آدمی قید کر لئے۔ حضرت امام، قازان کے سردارِ لشکر کے پاس جاکر بہت سے قیدی چھڑا لائے [۵]

قازان کے پاس سفارت

سنہ ۶۹۹ھ میں تاتاریوں نے پھر شام پر سخت حملہ کی طیاریاں کیں۔ حضرت امام بلا توقف فریضۂ دعوتِ جہاد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، اُنھوں نے مسلمانوں کو ثابت قدمی، دلیری اور جوانمردی کی تعلیم دی، اُنکی ہمت بندھائی اور تلقین کی کہ اگر تم مضبوطی کے ساتھ اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاؤ گے، حملہ آوروں کا سرفروشی کے ساتھ مقابلہ کروگے تو فتح و نصرت تمھارے پاؤں چومیگی، خوف کی گھٹائیں سر سے دُور ہو جائینگی اور امن کا دُور دورہ شروع ہو جائیگا۔ اس کے بعد بڑے بڑے آدمیوں کا ایک وفد طیار ہوا تاکہ قازان سے اس بارے میں گفت و شنید کرے، حضرت امام بھی اس وفد میں شریک تھے۔ قازان کی نظر حضرت امام پر پڑی تو اُسکے دل میں زبردست ہیبت بیٹھ گئی، وہ بڑی عزت و تکریم کے ساتھ

---

[۵] ابن خلدون بحوالۂ مقالاتِ شبلی۔

پیش آیا۔ حضرت امام نے اُسے مسلمانوں کی خونریزی سے باز رہنے کی تلقین کی، اور اُسے بہت کچھ سمجھایا بجھایا۔ انجام کار اُس نے حضرت امام کے ارشاد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور یہ حضرتِ امام ہی کی برکت تھی کہ مسلمانوں کی جانیں، مال اور خان و مان تاتاریوں کی دستبرد سے محفوظ ہو گئے۔

اگلے سال یعنی ۷۰۰ھ میں تاتاری حملہ آوروں کا سیلاب پھر اُمڈا، حضرت امام ڈاک پر بیٹھ کر مصر گئے، ۱۱۔ جمادی الاوّل کو قاہرہ میں داخل ہوئے، جاتے ہی تمام ارکانِ دولت اور اعیانِ سلطنت کو جمع کیا، اُنھیں جہاد کی پُر زور ترغیب دی۔ سارا شہر حضرت ممدوح کے ساتھ بے حد عزت سے پیش آیا، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید، جو امام المحدثین اور قاضی القضاۃ تھے، وہ بھی حضرت امام سے ملنے کیلئے آئے۔ اہلِ مصر کو سرفروشی و قربانی پر آمادہ کرنے کے بعد حضرت امام ۲۷۔ جمادی الاوّل کو پھر ڈاک میں بیٹھکر دمشق پہنچے اور یہاں کے باشندوں کو فریضۂ استقامت سے آگاہ فرمانے لگے۔ گویا ہر طرح جہاد کی طیاریاں مکمل ہو چکی تھیں کہ اس دَوران میں بعض قدرتی مصائب اور فوج کے اندرونی اختلال کے باعث تاتاریوں نے حملہ کا خیال ترک کر دیا۔ حضرت امام نے ایک طویل مکتوب مصر بھیجا، اسمیں یہی ذکر تھا کہ جب مسلمانوں نے اپنے دل مضبوط کر لئے تو دشمن نے خود مُنہ موڑ لیا۔

مصر میں جہاد کا وعظ

۷۰۲ھ میں تاتاریوں نے پھر بڑے ساز و سامان کے ساتھ چڑھائی کی۔ قازان کا سردار قتلوشاہ نوّے ہزار فوج لیکر آگے بڑھا۔ حضرت امام پھر جہاد کا پیغام لیکر مصر پہنچے، سلطان ناصر تاتاریوں کی کثرتِ تعداد اور بے پناہ حملہ

آوری سے گھبرا اُٹھا تھا، اُس کے اعیان و ارکانِ دولت بھی ہمت ہار بیٹھے تھے، مگر حضرت امام ہر چیز سے بے پروا ہو کر سب کو فریضۂ استقامت کی بجا آوری کی دعوت دے رہے تھے۔ سلطان ناصر اور اس کے اعیان کی کمزوری اور دون ہمتی کی اطلاع پاکر حضرت امام نے انتہائی جرأت و بے باکی سے انھیں غیرت دلائی، صاف صاف اور بلا خوفِ احدے سلطان سے کہا کہ اگر تم اسلام کی نصرت و حمایت کے لئے نہیں اُٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کریگا جو اِس اہم فریضہ کو پُورا کریگی"۔ اِس کے ساتھ قرآن حکیم کی یہ آیات پڑھیں:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ" (۸:۲۶)	اگر تم پیٹھ دکھاؤ گے تو خدا تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو کھڑا کر دیگا، اور وہ تمھاری طرح (بزدل) نہ ہوگی۔

مرج الصّغر کی لڑائی

اِس بے باکانہ اندازِ بیان اور اِس ہمالہ شکن عزم پر سارا دربار تصویرِ حیرت بن گیا۔ شیخ تقی الدین ابنِ دقیق العید بھی بے اختیار پکار اُٹھے کہ "ایسی جرأت و بے خوفی کبھی دیکھنے میں نہیں آئی"۔ بہر حال اِن رُوح پرور اور ایمان افروز مواعظ نے ہمتوں کے ڈگمگاتے ہوئے قصر پھر مضبوط کر دیے اور ارادوں کی ہلتی ہوئی دیواریں پھر استحکام کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئیں۔ سلطان ناصر فوج لیکر شام کی طرف بڑھا، مرج الصّغر میں جسکا نام شقحب ہے تاتاریوں سے مقابلہ ہوا۔ حضرت امام بہ نفسِ نفیس اِس جہاد میں شریک ہوئے، حالت یہ تھی کہ میدان میں شیر کی طرح پھرتے تھے، کبھی لڑنے لگ جاتے، کبھی لوگوں کو ثبات و استقامت کی تلقین فرمانے لگ جاتے، کبھی فتح و نصرت کی بشارت اور مالِ غنیمت کے وعدے سے اُن کے

دل بڑھاتے۔ حضرت امام نے حسام الدین مہنے ابن عیسیٰ کو بھی اس جہاد میں شریک کرلیا تھا۔ سلطان ناصر نے میدانِ جنگ میں تاتاریوں کی کثرت دیکھی تو بے اختیار اُس کے منہ سے "یا خالد" کا کلمہ نکل گیا حضرت امام نے فوراً اُسے ٹوکا اور فرمایا "یا ولید" نہ کہ یا اللہ کہ، یا مالکِ یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین کہ اُسی مالک حقیقی سے مدد مانگ"۔ بیان کیا جاتا ہے کہ: حضرت امام نے سلطان سے کہا کہ "تو ثابت قدمی اختیار کر فتح تیرے ہی لئے ہے" اُمرا میں سے ایک نے کہا کہ "انشاء اللہ بھی کہئے" حضرت امام نے فرمایا "ان شاء اللہ تحقیقاً لا تعلیقاً"[۵۱]

بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ آخر کار تاتاریوں کی تمام فوجیں برباد ہوگئیں اور عساکرِ اسلامی کو نہایت عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ یہ سب حضرت امام کی پامردی و دلیری کی برکت تھی۔ قوائے اسلامیہ کے تمام منتشر عناصر مجتمع ہوکر جوانمردی کے ساتھ لڑے اور کامیاب ہوئے۔

شقحب کی فتح کے بعد زمانے میں حضرت امام کی دھاک بندھ گئی۔ جب فاتحانہ حیثیت میں دمشق تشریف لائے تو اہلِ دمشق نے نہایت عظیم الشان استقبال کیا، اور لوگ انتہائی عزت و تکریم سے پیش آنے لگے۔ لیکن حضرت امامؒ نے صاف فرمادیا کہ "میں امت کا ایک معمولی آدمی ہوں"۔ اس واقعہ کے بعد لشکر کے تمام آدمی، تمام امرا و رؤسا اور عامۃ الناس حضرت امام کے انتہائی عقیدت مند بن گئے[۵۲]

جنگِ جبلِ کسروان

۷۰۵ھ میں حضرت امام نے اہلِ جبل کسروان کے ساتھ جہاد کیا۔ یہ لوگ

۵۱۔ الکواکب الدریہ۔ ۵۲۔ الکواکب الدریہ۔

اسماعیلیہ، نصیریہ، حاکمیہ، باطنیہ وغیرہ مذاہب پر مشتمل تھے اور اسلام سے بہت دور نکل گئے تھے، صحابہؓ کے کفر کے قائل تھے، جو شخص صحابہؓ کو اچھا سمجھتا تھا یا متعہ کو حرام سمجھتا تھا اُسے بھی کافر جانتے تھے، نماز، روزہ چھوڑ بیٹھے تھے، جنت و دوزخ کو باطل سمجھتے تھے، خون، مردار اور سور کے گوشت کو حلال جانتے تھے۔

حضرت امامؒ نے ان کے ساتھ قتال کیلئے بھی ہر جگہ وعظ فرمائے، سلطان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ حروریہ سے لڑے تھے اسی طرح اہلِ جبل کسروان کے ساتھ جنگ کی جائے۔ اس جہاد میں بھی حضرت امام کو کامل فتح نصیب ہوئی اور کسروان کا فتنہ بالکل دب گیا۔

۷۱۲ھ میں پھر ایک مرتبہ تاتاریوں کے ساتھ جہاد کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت امام نے ۶۷۵ھ سے لیکر ۷۰۲ھ تک قازان اور دوسرے تاتاری اُمراء کی سفارتوں میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دئے وہ بہت تفصیل طلب ہیں۔ حضرت ممدوح کی جرأت و بے باکی کی بہت سی داستانیں مشہور ہیں، اُن میں سے ہم یہاں صرف ایک داستان بیان کرنے پر اکتفا کرینگے۔

جرأت و بے باکی

ایک مرتبہ حضرت امام تاتاری سرعسکر قتلو خاں کے پاس کسی شخص کی دادرسی کیلئے تشریف لیگئے، قتلو نے بطورِ استہزاء کہا کہ "آپ نے کیوں تکلیف فرمائی مجھے اپنے پاس بُلا لیتے"، حضرت امام نے بلا تکلف فرمایا "حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس جایا کرتے تھے، فرعون حضرت موسیٰؑ کے پاس نہیں آیا کرتا تھا"[۵]۔ وحشی تاتاریوں کے سامنے ایسی بیباکی کا اظہار صرف ابن تیمیہؒ ہی فرما سکتے تھے۔

---

[۵] فوات الوفیات بحوالہ مقالاتِ شبلیؒ۔

ایک مرتبہ قازان کے پاس گئے اور لوگ بھی ساتھ تھے، حضرت امام نے انتہائی بیباکی سے گفتگو شروع کی۔ قازان اگرچہ کئی سال پیشتر مسلمان ہوچکا تھا اور اُسکے ساتھ بہت سے تاتاری بھی اسلام کے دائرے میں آچکے تھے مگر اُنکے وحشیانہ اور غارتگرانہ عادات وخصائل میں کوئی تغیر پیدا نہ ہُوا تھا۔ حضرت امام نے یہ تمام نقائص صاف صاف قازان کے روبرو پیش کردئے، اُسکے آباؤ اجداد کے کفر اور ظلم وجور کی نہایت سختی سے مذمت کی۔ جو لوگ ساتھ گئے تھے وہ خوف ودہشت سے دم بخود تھے اور مضطرب ہورہے تھے کہ کہیں قازان غصے میں آکر سب کے قتل کا حکم نہ دیدے، مگر حضرت امام ایسی اُلجھنوں سے بالکل بے پروا تھے۔ قازان پر اِس بیباکی سے اِس درجہ رُعب طاری ہُوا کہ وہ کچھ نہ بول سکا۔ آخرکار کہنے لگا کہ "میرے لئے دعا فرمائیے" حضرت امام نے فوراً ہاتھ اُٹھاکر دعا کی جسمیں کہا کہ "خدایا! اگر قازان اللہ اور رسول کے لئے لڑرہا ہے تو اِس کی مدد کر، لیکن اگر یہ مال و دولت اور مُلک وسلطنت کیلئے خون بہا رہا ہے تو اِسے سزا دے۔" بیان کیا جاتا ہے کہ: قازان نے ہاتھ اُٹھائے ہوئے تھے اور ہر فقرے پر "آمین" کہتا جاتا تھا[۵۱]۔

قازان نے کھانا منگایا، سب نے کھایا، مگر حضرت امام نے انکار فرمادیا۔ وجہ پُوچھی گئی تو فرمانے لگے کہ "مَیں یہ کھانا کیسے کھاؤں جو سارے کا سارا لوگوں کے مال لُوٹ کر حاصل کیا گیا ہے اور جو لوگوں کے درخت کاٹ کر پکایا گیا ہے[۵۲]"؟

فرمایا کرتے تھے کہ "غیر اللہ سے صرف وہی ڈرتا ہے جسکا قلب بیمار ہو" ایک شخص نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے شکایت کی کہ "مجھے فلاں امیر سے ڈر معلوم ہوتا ہے" فرمایا: "اگر تیرا دل بیمار نہ ہوتا تو قطعاً خوف پیدا نہ ہوتا، یہ خوف دل کی بیماری کا نتیجہ ہے[۵۳]"۔

۵۱، ۵۲، ۵۳ الکواکب الدریہ۔

باب (۴)

مصر میں طلبی اور ابتلاء کا زور

مصر میں طلبی

ہم نے باب دوم کو اس بیان پر ختم کیا تھا کہ سلطان کے فرمان کے رُو سے حضرت امام کی براءت مسلم ہوگئی تھی اور مخالفین خاموش بیٹھ گئے تھے۔ حضرت امام کے خلاف یہ فتنہ اس بات سے اُٹھا تھا کہ اُنھوں نے عقاید کے باب میں عام متکلمین و حیرت زدگانِ عقلیات مزعومہ یونانیہ کی غلطیاں واضح کر کے سلف صالحین کا مذہب پیش کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے اہل تصوف و صوامع کی بدعات و محدثات اور جہل و لاعلمی کو بھی شد ومد کے ساتھ رد کیا تھا، جس پر تمام بڑی بڑی خانقاہوں میں کھلبلی مچ گئی۔ یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ نصر المنبجی جو خود ایک خانقاہ کا شیخ تھا حضرت امام کا سخت مخالف بن چکا تھا اور مصر میں حضرت ممدوح کے خلاف سارا فتنہ نصر ہی کا برپا کیا ہوا تھا۔ سلطان کے فرمان نے تھوڑی دیر کے لئے سب مخالفین کی ہمتیں پست کر دیں، لیکن نصر اپنی نیش زنی سے محترز نہ ہوا۔ بیبرس چاشنگیر جو سلطنت میں بہت بڑے رسوخ کا مالک تھا، نصر کا بیحد معتقد تھا۔ نصر نے اسے حضرت امام کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور وہ آخری حربہ خدع و فریب

اور آخری ذریعہ تہمت و افترا بھی استعمال کر ڈالا جو اس قسم کے لوگ عموماً علمائے صالحین کے خلاف استعمال کیا کرتے ہیں۔ یعنی "اتہامِ ہوسِ سلطنت"۔ نصر نے بیبرس کے دل میں یہ شبہ ڈال دیا کہ: "ابن تیمیہ، ابن تومرت کی طرح خود سلطنت قائم کرنا چاہتا ہے اور وہ تم سب کو باہر نکال دیگا" شقحب و کسروان کے میدان حضرتِ امام کی حیرت انگیز جرأت و جلادت کے سب سے بڑے شاہد تھے۔ اہلِ لشکر، اربابِ دولت اور عامۃ الناس میں حضرت امام کو بہت زیادہ رسوخ حاصل تھا۔ ان حقائق کی موجودگی میں نصر کی افترا پردازی بلا تامل درست مان لی گئی۔ بیبرس کی کوششوں سے سلطانی فرمان دمشق پہنچا کہ "ابن تیمیہؒ کو مصر بھیجا جائے" قاصد فرمان لیکر آیا تو نائبِ شام نے کہا کہ "میں اپنی موجودگی میں دو مجلسیں منعقد کرچکا ہوں، اُن میں قضاۃ و فقہا سب موجود تھے مگر کوئی بھی ابن تیمیہؒ کے خلاف کوئی امر ثابت نہ کرسکا، اسلئے انھیں مصر بھیجنے کی ضرورت نہیں" قاصد نے اُس تہمت کی وضاحت کی جو نصر وغیرہ نے حضرت امام کے خلاف عائد کی تھی اور اِس تہمت کی بنا پر نائب کو یہی مشورہ دیا کہ "سلطانی فرمان کی تعمیل میں کوتاہی نہ کی جائے" آخرکار نائب مان گیا اور حضرت امام بتاریخ ۱۲۔ رمضان ۷۰۵ھ بروز دوشنبہ ڈاک پر بیٹھ کر مصر کی طرف روانہ ہوگئے۔ اہلِ دمشق نے رخصت کے وقت اپنی عقیدت و محبّت کا جو مظاہرہ کیا وہ بلا شبہ بے نظیر ہے، لوگ کثرت سے جمع ہوگئے، ایک بہت بڑا مجمع پہلی منزل تک ساتھ گیا، اکثر رو رہے تھے اور شدت کے ساتھ حضرت امام کو روک رہے تھے۔

مناظرہ

۲۲۔ رمضان کو جمعرات کے دن قاہرہ پہنچے، دوسرے روز بعد نماز جمعہ قلعہ

میں عظیم الشان مجلس منعقد ہوئی جسمیں قضاۃ و اکابرِ دولت شریک تھے قاضی ابن مخلوف مالکی حکم بن کر بیٹھے۔ شمس بن عدلان نامی ایک شخص نے مخالفین کی طرف سے دعویٰ دائر کیا اور اظہار دیا کہ "ابن تیمیہؒ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا حرف و صوت کے ساتھ تکلم کرتا ہے اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جا سکتا ہے[ل۱]" قاضی نے حضرت امام سے جواب طلب کیا۔ حضرت ممدوحؒ نے کھڑے ہو کر لکچر کے طور پر جواب دینے کا ارادہ کیا اور قاعدہ مسنونہ کے مطابق سب سے پہلے حمد و ثنا شروع کی۔ قاضی جھنجلا کر بولا کہ "جواب دو، ہم تمہارا خطبہ سننے کے لئے نہیں آئے"! حضرت امام نے پوچھا کہ "حکم و منصف کون ہے"؟ حاضرین نے جواب دیا کہ "قاضی ابن مخلوف مالکی" حضرت امام نے فرمایا کہ "وہ تو خود فریقِ مقدمہ ہیں، حکم کیونکر بن سکتے ہیں"؟ اس پر لوگ بہت برہم ہوئے اور انھیں مجلس سے اٹھا دیا۔ حضرت امام کے دونوں بھائی شیخ شرف الدین عبد اللہ اور شیخ زین الدین عبد الرحیم بھی ساتھ ہی اٹھے۔ اس سخت سلوک پر حضرت امام کے بھائی شیخ شرف الدین کی زبان سے بد دعا نکلی مگر حضرت امام نے حضور خواجۂ دو جہاںؐ کی اس سنتِ صبر و استقامت اور دعائے ہدایت کے اتباع میں جسکا اظہار حضورؐ نے اہلِ طائف کی سختیوں کے جواب میں فرمایا تھا، کہا "بد دعا نہ کرو، یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ هَبْ لَهُمْ نُوْرًا يَهْتَدُوْنَ بِهٖ اِلَى الْحَقِّ"	اے اللہ انھیں وہ نور عطا کر جس سے وہ حق کو پا سکیں۔

تھوڑی دیر کے بعد پھر حضرت امام اور اُن کے دونوں بھائیوں کو لوگ مجلس میں لوٹا لائے۔ حضرت امام نے قاضی کو حکم تسلیم کر لیا لیکن مخالفت زوروں پر تھی اسلئے انھیں بھائیوں سمیت قید کر دیا گیا۔ عید کے دن عام قید خانے سے

[ل۱] مالکی مذہب میں اس عقیدے کی سزا قتل ہے۔

نکالکر اُنھیں ایک بُرج میں بند کر دیا گیا جو جب یوسف کے نام سے مشہور تھا۔
اسی زمانے میں سلطانی فرمان نافذ ہُوا کہ "جو شخص ابن تیمیہؒ کا ہم عقیدہ ہو وہ رجوع کرے ورنہ اُسے سخت سزا دی جائیگی" بازاروں میں اِسی مطلب کی منادی کرا دی گئی۔ ابن شہاب محمود نے یہ فرمان جامع مسجد میں جاکر سُنایا۔ حنبلیوں پر اِس سلسلے میں بیحد سختیاں کی گئیں[1]

علامہ شبلی "دُررِ کامنہ" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عجیب بات یہ ہے کہ اِس عام آشوب میں علامہ (ابن تیمیہؒ) کی جس نے حمایت کی وہ شمس الدین ابن الحویری تھے جو مذہبًا حنفی تھے۔ اُنھوں نے ایک محضر لکھا جسمیں یہ عبارت لکھی کہ "تین سو برس سے ابن تیمیہؒ کا کوئی ہمسر پیدا نہیں ہوا" اِس جرم کی سزا میں شمس الدین کی معزولی کی کوشش کی گئی، چنانچہ وہ اگلے سال معزول ہو گئے"[2]

رہائی کی گفت شنید

سیف الدین سالار نائب السلطنت حضرت امام کا بہت معتقد تھا، اُس نے ۷۰۶ھ کو عید الفطر کے دن شافعی، مالکی اور حنفی قاضیوں کو جمع کر کے حضرت امام کی رہائی کی خواہش کا اظہار کیا۔ عبدالغنی بن یحییٰ بن محمد الحرانی قاضی قاہرہ بہت قلیل العلم شخص تھا، اُس نے تمام علماء کے مشورے سے چند شرائط مرتب کر کے سالار کے پاس اِس غرض سے پیش کیں کہ اگر ابن تیمیہؒ اِن شرطوں کو قبول کرلیں تو اُنکی رہائی ممکن ہے۔ حضرت امام کے پاس قاصد بھیجا گیا کہ وہ اُنھیں اِن شرائط

---

[1] تمام واقعات الکواکب الدریہ، درر کامنہ اور اتحاف النبلاء المتقین سے ماخوذ ہیں۔

[2] مقالاتِ شبلیؒ۔

کے متعلق گفتگو کرنے کیلئے لے آئے مگر حضرت امام نے آنے سے انکار کر دیا۔
قاصد چھ مرتبہ آیا گیا مگر حضرت امام اپنے انکار پر قائم رہے۔

ذی الحجہ ۷۰۸ھ میں سیف الدین سالار نے حضرت امام کے بھائیوں کو قید خانہ سے بلا کر مجلس منعقد کی، اُس میں قاضی زین الدین ابن مخلوف کو بھی بلایا۔ شیخ شرف الدین نے ابن مخلوف کے ساتھ زبردست بحث کی اور اُس کی غلطیاں دکھلائیں۔ دوسرے روز شمس بن عدلان کو بلایا گیا، شیخ شرف الدین نے مناظرے میں اُسے بھی شکست دیدی۔

رہائی

قید خانے میں حضرت امام نے سرکاری لباس پہننے اور سرکاری کھانا کھانے سے انکار کر دیا یہ دورِ ابتلاء و آزمائش ڈیڑھ سال تک جاری رہا۔ ربیع الاول ۷۰۷ھ میں امیر حسام الدین مہنے بن عیسیٰ مصر آئے اور انھوں نے حضرت امام کو قید خانے سے باہر نکالا۔ اس کے بعد متعدد مجالسِ مناظرہ منعقد ہوئیں اور فقہاء میں سے نجم الدین بن الرفعہ، علاء الدین الباقی، فخر الدین بن بنت ابی سعد، عز الدین المزادی، شمس الدین ابن عدلان وغیرہ شریک ہوئے۔ قاضیوں نے حاضری سے انکار کر دیا، بعض نے بیماری کا عذر پیش کیا اور بعض نے دوسرے عذرات گھڑ لئے۔ یہ مناظرے بخیر و عافیت ختم ہوئے۔ حضرت امام نے رہائی کے بعد دمشق خط بھیجا، عام لوگ اِس رہائی پر بیحد خوش ہوئے۔ شیخ نجم الدین سلیمان بن عبد القوی نے اِس تقریب میں ایک پُر زور قصیدہ لکھا۔

مخالفت کا نیا فتنہ

رہائی کے بعد حضرت امام درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور چند روز کیلئے

اُنھیں پھر اطمینان اور سکون کے ساتھ پیغامِ حق پہنچانے کا موقع مل گیا۔ جمعہ کے روز جامع حاکم میں فریضۂ جمعہ ادا کیا، لوگ وعظ کے متمنی ہوئے، حضرت امام نے سورۂ فاتحہ تلاوت فرمائی اور بعد ازاں نمازِ عصر تک "ایاك نعبد وایاك نستعین" کے حقائق و معارف بیان فرماتے رہے۔

درس و تدریس کے سلسلے کا آغاز ہوتے ہی لوگ پھر جوق در جوق حضرت امام کی صحبت میں شریک ہونے لگے۔ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے بعد نمازِ عصر تک جامع مسجد میں تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے۔ اطمینان کا یہ دَور کچھ مدت تک قائم رہا، اِسی اثنا میں حضرت امام نے قائلینِ وحدت الوجود کے خلاف مستقل جہاد شروع کر دیا۔ اسلئے کہ اصحابِ خوارق و صوامع اس عقیدے کے پردے میں عوام کے عقاید بے حد خراب کر رہے تھے۔ حضرت امام نے علی الاعلان ابن عربی، ابن سبعین اور مولانا روم کی مخالفت شروع کر دی۔ اِس پر صوفیوں، پیروں، خانقاہ نشینوں اور زاویہ گزینوں کے حلقوں میں شور مچ گیا۔ شیخ علم الدین برزالی فرماتے ہیں کہ "شوال ۷۰۷ھ میں کریم الدین آملی، ابن عطا وغیرہ کم و بیش پانچ سو صوفیوں نے حضرت امام کے خلاف شکایت کی، یہ سب لوگ ہجوم کی صورت میں قلعہ کی طرف آئے اور قلعہ کے نیچے پہنچ کر فریاد کرنے لگے۔ اِس پر قلعہ میں ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں حضرت امام پر عائد کردہ الزامات غلط ثابت ہوئے۔ اِس بحث میں حضرت امام نے فرمایا کہ "میں رسول اللہ صلعم سے استغاثہ ناجائز سمجھتا ہوں" اس پر لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا ایک جماعت کہتی تھی کہ "اسمیں کچھ حرج نہیں دوسری کہتی تھی کہ "بہر حال یہ خلافِ ادب ہے" آخر فیصلہ یہ ہوا کہ مقدمہ قاضی کے پاس پیش ہو۔ لیکن چونکہ فتنہ بڑھ رہا تھا اس لئے سلطنت کی طرف سے فرمان نافذ کیا گیا کہ حضرتِ امام اگر چاہیں تو چند شرطیں مان کر قاہرہ یا دمشق میں قیام پذیر رہیں ورنہ قید قبول کریں" حضرت

ممدوح نے بخوشی قید منظور کر لی لیکن ان کے احباب اور نیازمندوں نے بطورِ خود سلطنت کی شرطیں مان لیں اور وہ حضرت امام کی طرف سے اُن کی پابندی کے ذمہ وار بن گئے۔ اس کے بعد حضرت امام ۱۸۔ شوال کو ڈاک میں بیٹھکر دمشق کی طرف روانہ ہوئے، لیکن دوسرے روز اُن کے پیچھے سواری بھیجی گئی اور اُنھیں واپس بُلا لیا گیا۔ پھر امراء و قضاۃ کا اجتماع ہؤا اور مختلف رائیں پیش ہونے لگیں: بعض نے قید کی تجویز پیش کی، بعض اِس کے خلاف تھے، قاضی شمس الدین التونسی المالکی سے کہا گیا کہ "آپ قید کا حکم دیں" اُنہوں نے فرمایا کہ "کوئی جرم ثابت نہیں"۔ قاضی نورالدین زوردی مالکی کی خدمت میں اسی قسم کی استدعا پیش کی گئی تو وہ تذبذب میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں؟

دوبارہ قید

حضرت امام نے یہ اختلاف دیکھا تو فرمایا کہ "مَیں خود قید خانہ جاتا ہوں اِس لئے کہ مصلحت یہی ہے"۔ قاضی نورالدین نے اِسپر کہا کہ "اگر وہ قید خانے میں بھیجے جائیں تو اُن کے ساتھ اُن کی شان کے مطابق سلوک کیا جائے"۔ دوسروں نے کہا کہ "سلطنت کسی امتیازی سلوک کی روادار نہیں ہوسکتی، اِن کے ساتھ عام قیدیوں کا سا برتاؤ ہوگا"۔ اِس ساری سازش کی تہ میں نصر المنبجی کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ بہرحال حضرت امام قید خانے بھیجے گئے، لیکن احترام قائم رہا۔ چنانچہ خدام کو ساتھ رہنے کی اجازت دیدی گئی، عام لوگ بھی بلا تکلف اِن سے ملاقات کر سکتے تھے، باہر سے مشکل اور اہم مسائل بھی بطورِ استفتاء آتے تھے اور حضرت امام اُن کے جواب لکھتے تھے۔

تجدیدِ اُسوۂ یوسفی

اِس قید کے دَوران میں اُسوۂ یوسفی کی بوجہِ احسن تکمیل عمل میں آئی اور مصر کے قید خانے کے اندر پھر ایک مرتبہ "ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۱۲ : ۵۱)" کی حقانی آواز گونج اُٹھی۔ حضرت امام قید خانے میں پہنچے تو قیدیوں کی حالت نہایت ابتر پائی: وہ انواع و اقسام کے لہو و لعب میں مشغول رہتے تھے، شطرنج کھیلتے تھے، نماز کا کسی کو خیال نہ تھا۔ حضرت امام نے جاتے ہی اصلاح کا کام ہاتھ میں لے لیا، اُنھیں نماز اور عبادت پر ثابت قدم کیا، تسبیح استغفار اور دعا پر لگایا، ان کے عقائد کی اصلاح فرمائی۔ غرض چند روز کے اندر قید خانہ، اعلیٰ درجے کی عبادت گاہ بن گیا۔

قاہرہ سے اسکندریہ کے قید خانے میں

چونکہ ملاقاتیوں کو عام اجازت تھی اِسلئے لوگ بکثرت حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ دشمنوں کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی، اُنھوں نے شور مچا کر اِنھیں قاہرہ کے قید خانے سے اسکندریہ میں منتقل کرا دیا۔ چنانچہ حضرت امام کو ڈاک پر اسکندریہ لائے اور وہاں ایک بُرج میں قید کر دیا۔ یہاں ایک دو مرتبہ اِنھیں قتل کر ڈالنے یا سمندر میں غرق کر دینے کی دھمکی دی گئی۔ دس روز کے بعد دمشق میں یہ خبر پہنچی تو وہاں عام جزع و فزع شروع ہو گیا، اور لوگ پہلے سے زیادہ رہائی کیلئے دعائیں مانگنے لگے۔ آٹھ مہینے اسکندریہ میں رہے، اِس زمانے میں بھی لوگوں کو ملاقات کی اجازت تھی۔ چنانچہ فقہاء، اعیان اور اکابر

---

۵۱ (ترجمہ) کیا بہت سے پروردگار اچھے ہیں یا ایک ہی زبردست پروردگار؟

عام طور پر آتے جاتے رہتے تھے۔ "وزیر کامنہ" میں ہے کہ "سکندریہ بھجوانے کی تحریک قاضی زین الدین ابن مخلوف کی طرف سے ہوئی تھی، اُس کا مدعا یہ تھا کہ کوئی حضرت امام سے ملنے نہ پائے، جس وقت قاضی نے یہ حکم بھجوایا تو مرض الموت میں گرفتار تھے۔ علامہ شبلیؒ اس پر فرماتے ہیں: "حسن خاتمہ بغیر اس کے کیونکر ہوسکتا تھا"؟

رہائی اور دشمنوں سے حسن سلوک

۷۰۹ھ میں سلطان ناصر مصر آیا تو اُس نے حکم دیا کہ "حضرت امام انتہائی عزت واحترام کے ساتھ قاہرہ بُلائے جائیں"۔ ۱۸۔ شوال کو حضرت امام قاہرہ پہنچے، ۲۴۔ کو سلطان ناصر سے دربار میں ملاقات ہوئی، جس میں مصر و شام کے بڑے بڑے قاضی اور فقیہ موجود تھے۔ جب حضرت امام دربار میں آئے تو سلطان ناصر نے کھڑے ہوکر تعظیم دی۔ حافظ عبدالہادی ابن قدامہ نے دربار اور ملاقات کی کیفیت مفصل بیان کی ہے، لیکن یہ مختصر سی سرگزشت اُن تفصیلات کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ سلطان نے برسرعام حضرت امام کی بے انتہا تعریف کی، مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو ان کی جلالتِ منصب کا اچھی طرح احساس ہوجائے اور وہ مخالفت چھوڑدیں۔ سلطان کا ارادہ تھا کہ علامہ کے مخالفین کو سزائیں دے۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ لوگ سلطان کی غیبت میں رکن الدین بیبرس چاشنگیر کی بیعت کرچکے تھے، جو ملک مظفر کے لقب سے بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ سلطان ناصر نے اس باب میں حضرت امام سے مشورہ کیا۔ حضرت امام اگر انتقام

لے مقالاتِ شبلیؒ۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ صحیح نہیں، اسلئے کہ جب حضرت امام قید سے رہا ہوئے تو قاضی ابن مخلوف زندہ موجود تھے۔ خود علامہ شبلیؒ کی بعد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام کی رہائی پر جو دربار ہوا اُس میں قاضی ابن مخلوف موجود تھے۔

کے خواہاں ہوتے تو اس سے بہتر موقع انھیں کہاں مِل سکتا تھا؟ ان کا ایک اشارہ صدہا مخالفین کی زندگیوں کا خاتمہ کرسکتا تھا۔ لیکن حضرت امام کی عالی حوصلگی اور فراخ دلی ملاحظہ ہو کہ: سلطان کا عندیہ معلوم کرکے اُنھوں نے اپنے تمام مخالفوں اور دشمنوں کی بے حد تعریف کی کہا کہ "اگر یہ لوگ نہ رہے تو پھر سلطنت میں انکی جگہیں بالکل خالی ہوجائینگی اور ان جیسا کوئی آدمی نہ ملیگا"۔ غرض ہر طرح سے سلطان کو ارادۂ تعذیب و تعزیر سے روکا۔ قاضی زین الدین ابن مخلوف حضرت امام کے نہایت سخت دشمن تھے اور مصر میں حضرت ممدوح پر تکالیف و مصائب کی جو گھٹائیں نازل ہوئیں اُن کی تہ میں نصر اور ابن مخلوف سب سے سرگرم کارکن تھے، حضرت امام کو قاہرہ سے سکندریہ بھجوانے کی تحریک بھی ابن مخلوف ہی نے کی تھی۔ اگر حضرت امام چاہتے تو نہایت آسانی کے ساتھ اُس سے بدلہ لے سکتے تھے، لیکن حضرت ممدوح نے درگزر کی۔ ابن مخلوف کہا کرتے تھے کہ "میں نے ابن تیمیہؒ سے بڑھکر فراخ حوصلہ، خطا بخش اور جوانمرد کوئی نہیں دیکھا، جب ہمیں اُن پر قابو ملا تو ہم نے اُن کے خلاف کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، لیکن جب اُنھیں ہم پر اختیار حاصل ہُوا تو اُنھوں نے معاف کردیا"۔[۵۱]

نیا فتنہ

عام لوگ پہلے ہی حضرت امام کے بیحد معتقد تھے، سلطان کی عقیدت دیکھ کر نیازمندوں کے حلقے میں اَور بھی اضافہ ہوگیا، ہر طبقے اور دائرے کے لوگ اِس کثرت سے حاضرِ خدمت ہونے لگے کہ حضرت امام کا آستانہ مرجعِ عالم بن گیا۔ لیکن مخالفین اس حالت میں بھی شرارت سے باز نہ آئے تھے۔ رجب سنہ ۷۱۱ھ میں ایک

---

۵۱ یہ تمام تفصیلات "الکواکب الدریۃ" اور طبقاتِ ابن رجب میں موجود ہیں۔

جماعت نے حضرت امام کو اکیلا پاکر مارا۔ شیخ علم الدین فرماتے ہیں کہ: "وہ تنہا ایک مکان میں تھے، مخالفین موقع پاکر سخت بے ادبی سے پیش آئے۔ یہ خبر عقیدت مندوں تک پہنچی تو وہ غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہوگئے، اہلِ لشکر اور دوسرے اصحاب کا ایک کثیر مجمع حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور انتقام گیری کا اذن طلب کرنے لگا، حضرت امام نے انھیں روک دیا۔ لوگوں نے یہاں تک کہا کہ "اگر آپ حکم دیں تو مصر کی اینٹ سے اینٹ بجاکر رکھ دیں" حضرت امام نے فرمایا کہ "کس لیئے" لوگوں نے عرض کیا کہ "آپ کیلیئے" حضرت امام نے فرمایا کہ "یہ جائز نہیں" مجمع نے کہا کہ "ہم اُن لوگوں کے گھروں کی طرف جاتے ہیں جنھوں نے آپ کو تکلیف دی، ہم انھیں مار ڈالینگے اور اُن کے مکان ویران کر ڈالینگے" حضرت امام نے پھر فرمایا کہ "یہ جائز نہیں" مجمع نے کہا کہ "کیا انھوں نے آپ کو تکلیف نہیں دی، کیا ہم اُن سے بدلہ نہ لیں اور انھیں اِس شرارت کا مزا نہ چکھائیں"؟ حضرت امام نے سختی کے ساتھ انھیں اِس ارادے سے باز رکھا۔ جب وہ بہت جوش و خروش کا اظہار کرنے لگے تو حضرت امام نے فرمایا کہ "اگر تم یہ سب کچھ میرے لئے کرنا چاہتے ہو تو میں اپنے حق سے دست بردار ہو چکا، اور اگر تم یہ سب کچھ اپنے لئے کرنا چاہتے ہو اور میری بات سُننے کے روادار نہیں ہو تو مجھ سے کیوں فتوٰی طلب کرتے ہو؟ جو چاہو کرو، مجھے اِس سے کوئی تعلق نہیں، اگر یہ اللہ کیلیئے کرنا چاہتے ہو تو اللہ اگر چاہیگا تو خود اپنا حق لے لیگا"[۵۱]

علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ: "شر انگیزوں کی اس جماعت میں ایک بزرگ فقیہ بکری تھے، انھوں نے ایک روز حضرت امام کو اکیلا پاکر گریبان پکڑ لیا اور کہا "عدالت میں چلو مجھے تم پر استغاثہ کرنا ہے" زیادہ شور و غل ہوا تو اِدھر اُدھر سے

---

[۵۱] الکواکب الدریّہ۔

لوگ جمع ہوگئے اور فقیہ بکری بھاگ نکلے۔ ایک مدت کے بعد سلطان فقیہ صاحب سے کسی بات پر ناراض ہوگیا اور حکم دیا کہ "انکی زبان کاٹ دی جائے" حضرت امام کو خبر ہوئی تو سلطان کے پاس جاکر عفو کی سفارش کی۔ آخر اتنی بات پر معاملہ ٹل گیا کہ "فقیہ بکری فتویٰ نہ دینے پائیں"[1]

واپسی دمشق

سنہ ۷۱۲ھ میں سلطان پھر تاتاریوں کے مقابلے کیلئے شام کی طرف روانہ ہوا، حضرت امام بھی عساکر مجاہدین کے ساتھ شام آئے، عسقلان پہنچکر بیت المقدس کی زیارت کے لئے تشریف لیگئے، زیارت سے فارغ ہوکر سات سال کے بعد وہ اپنے بھائیوں، رفیقوں اور نیازمندوں کے ساتھ دمشق آئے۔ لوگوں نے بڑی دھوم دھام سے استقبال کیا۔[2]

حافظ ابن عبدالہادی ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ "دمشق پہنچنے کے بعد نشر و اشاعت علم اور تصنیف و تالیف کتب میں مصروف ہوگئے۔ لوگ اُن سے زبانی اور تحریری فتوے لیتے تھے، درس و تدریس کا سلسلہ مستقل طور پر جاری تھا۔[3]

---

[1] مقالات شبلی۔

[2] الکواکب الدریۃ۔

[3] الکواکب الدریۃ۔

باب (۵)

قیام دمشق، قید اور وفات

فتنہ مسئلہ طلاق

۷۱۸ھ تک ہر طرح امن وسکون رہا، لیکن اِس سال پھر مخالفت کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا، اِس کی وجہ حضرت امام کا "فتویٰ حلفِ طلاق" تھا جس میں انھوں نے جمہور فقہاء کے خلاف رائے دی۔ لوگوں نے قاضی کے پاس شکایت کی، معاملہ بڑھا۔ یہ ربیع الآخر کا واقعہ ہے۔ جمادی الاوّل میں سلطان کا فرمان پہنچا کہ: "ابن تیمیہ حلفِ طلاق کے متعلق فتویٰ نہ دیں۔" اِس پر نائب السلطنت نے دارالسعادۃ میں مجلس منعقد کی۔ فیصلہ سلطان کے فرمان کے مطابق ہوا، شہر میں اِسکی عام منادی کرا دی گئی، حضرت امام نے اِس حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ "کتمانِ علم جائز نہیں" چنانچہ عام طور پر فتویٰ دیتے رہے۔

قید

رمضان ۷۱۹ھ میں پھر قضاۃ وفقہاء دارالسعادۃ میں جمع ہوئے۔ اِس اجتماع میں سلطنت کا فرمان پڑھا گیا، اِس فرمان کا ایک حصہ حضرت امام کی "خلاف ورزی

فرمانِ امتناعِ فتویٰ سے متعلق تھا۔ حضرت ممدوح کو بلایا گیا اور سخت زجر و توبیخ کی گئی۔ رجب سنہ ۷۲۰ھ میں تیسری مجلس منعقد ہوئی، اس میں پھر حضرت امام کے متعلق یہ سوال پیش ہوا کہ "وہ فتویٰ دینے سے باز نہیں آتے"۔ اس پر انھیں قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ پانچ مہینے اور آٹھ دن کی قید کے بعد محرم سنہ ۷۲۱ھ میں سلطان کے فرمان کی بناء پر رہا ہوئے اور بدستور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے[۵۱]۔

فتنہ مسئلۂ زیارتِ قبور اور آخری قید

تقریباً پانچ سال پھر آرام سے گزر گئے، لیکن مخالفت کی آگ پورے طور پر بجھنے میں نہ آتی تھی، تھوڑی دیر کے لئے دب جاتی تھی اور پھر شدت کے ساتھ بھڑک اٹھتی تھی۔ بیس برس پیشتر حضرت امام نے فتویٰ دیا تھا کہ "انبیاء و صالحین کی قبروں کی زیارت کیلئے شدِ رحال جائز نہیں"۔ سنہ ۷۲۶ھ میں مخالفین نے اس فتنۂ خوابیدہ کو بیدار کر لیا۔ اس مرتبہ عام مخالفت کا طوفان اس زور کے ساتھ اٹھا کہ حضرت امام کے معاونین و رفقاء بھی گھبرا گئے، ہر سمت آگ ہی لگ گئی لیکن حضرت امام عزیمت و استقامت کا پہاڑ بنے بیٹھے تھے، جس طرح ہمالہ باد و باراں کے جھکڑوں کی الجھنوں سے آزاد ہوتا ہے اسی طرح حضرت امام مخالفت کے اس طوفان کے نتائج سے بے فکر تھے۔ مصر میں ایک بہت بڑی جماعت مخالفت کیلئے کھڑی ہو گئی، ۱۸۔ بڑے بڑے فقہاء نے حضرت امام کے کفر کا فتویٰ دیا، اور سلطان کے پاس جاکر حضرت ممدوح کو واجب القتل بتایا۔ سلطان سزائے قتل پر راضی نہ ہوا، البتہ ان لوگوں کے اطمینان کیلئے اس نے حضرت امام کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ ۶۔ شعبان سنہ ۷۲۶ھ کو مصر سے قید کا فرمان آیا۔ اور

---

[۵۱] یہ ساری تفصیل "الکواکب الدریہ" سے ماخوذ ہے۔

وہ دمشق کے قلعہ میں بند کر دئے گئے۔ حضرت امام کے بھائی شیخ شرف الدین عبداللہ پر اگرچہ کوئی جرم ثابت نہ تھا مگر اُنکی برادرانہ محبت نے گوارا نہ کیا کہ بھائی کو تنہا مصائب کے سمندر کے رحم پر چھوڑ دیں چنانچہ وہ اپنی خوشی سے قید خانے چلے گئے[۵۱]۔ دوسرے بھائی زین الدین عبدالرحیم کو بھی ساتھ رہنے کی اجازت ملگئی[۵۲]۔ شیخ شرف الدین ۱۴۔ جمادی الاول ۷۲۷ھ کو قید ہی میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرماگئے، قلعہ سے باہر نماز جنازہ پڑھی گئی لیکن حضرت امام کو نماز جنازہ میں شریک ہونے کی اجازت نہ ملی[۵۳]۔

حضرت امام کی قید کے چند روز بعد اُنکے عقیدت مندان خصوصی پر بھی بے حد سختیاں کی گئیں، بعض کو قید کر دیا گیا۔ آخر کار حافظ شمس الدین محمد بن ابی بکر القیم الجوزیہ (جو حضرت امام کے ارشد تلامذہ میں سے تھے) کے سوا سب کو رہا کر دیا گیا۔ اس موقع پر علمائے بغداد نے حضرت امام کی اعانت کا حق ادا کیا اور طویل فتوے حضرت ممدوح کی تائید میں سلطان کے پاس روانہ کئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ فتوے سلطان کے پاس پہنچ ہی نہ سکے یا حضرت امام کی وفات کے بعد پہنچے اسلئے اُن سے کوئی نتیجہ مترتب نہ ہوا۔

اس قید میں بھی حضرت امام کا پاس ادب ملحوظ رکھا گیا، رہنے کیلئے اچھا کمرہ دیا گیا، کمرے میں پانی کا انتظام کر دیا گیا۔ اب اطمینان کے ساتھ بیٹھکر تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے، قرآن مجید کے حقائق پر بہت کچھ لکھا۔ فرمایا کرتے تھے

---

۵۱ "مقالات شبلی" اور "الکواکب الدریہ"۔

۵۲ "الکواکب الدریہ"۔

۵۳ "طبقات ابن رجب" بحوالہ "مقالات شبلی"۔

۵۴ "الکواکب الدریہ"۔

کہ" اس قید میں معانی و معارف قرآن کے جو دروازے مجھ پر کھلے انھیں مدنظر رکھ کر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ساری عمر ضائع کی" قرآن کے مشکل اور ادق مقامات کی تفسیر لکھی، جن مسائل کی وجہ سے ان پر مصیبتیں نازل ہوئیں انکی تشریح فرمائی۔ قاضی اخنائی مالکی، جو نیز کفر کا فتویٰ دینے والوں میں سب سے پیش پیش تھا، اس کا رد لکھا۔ یہ تمام تحریریں ملک میں پھیلیں، اسپر فرمان پہنچا کہ" ان کے پاس وسائل تحریر یعنی کاغذ، قلم اور دوات میں سے کوئی چیز نہ رہنے پائے"۔ اسکے بعد حضرت امام کی جو تحریر باہر پہنچی وہ کوئلہ سے لکھی گئی تھی۔[۵۱]

کاغذ اور قلم دوات کی بندش

کاغذ اور قلم دوات کی بندش کے بعد ہمہ تن تلاوت، تہجد، مناجات اور ذکر میں مصروف ہو گئے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: "میں نے شیخ سے سنا کہ" دنیا میں ایک بہشت ہے جو شخص اس بہشت میں نہیں آتا، اسے بہشت آخری سے حصہ نہیں مل سکتا"۔ پھر فرماتے" مگر میرے دشمن کیا کرینگے؟ میرا بہشت میرے سینے میں ہے، جہاں جاؤں یہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتا"۔[۵۲]

دو دیدہ جوئے رواں سینہ ہم گلستان است
بہر کجا کہ نشینم، بہارِ خویشتنم

نیز فرماتے تھے" قید میری خلوت ہے، قتل میری شہادت ہے اور جلا وطنی میری سیاحت ہے"۔

آخری قید کی برکات کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ" اگر میں اس قلعہ کے برابر

---

۵۱ " الکواکب الدریۃ"۔

۵۲ " اتحاف النبلاء المتقین"۔

زرِ صرف کروں تو اِس نعمت کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا جو مجھے اِس قید سے حاصل ہوئی اور نہ اِسکی جزا دے سکتا ہوں۔

وفات

سامانِ کتابت سے محرومی کے بعد قرآن کا دَور شروع کر دیا تھا، دورانِ قید میں ۸۱ مرتبہ قرآن ختم کیا، آخری ختم میں اِس آیت پر پہنچے "اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۙ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ" (۵۴: ۱۰) کہ موت واقع ہوئی۔ ۲۰ روز بیمار رہے، بروزِ دوشنبہ تاریخ ۱۰ ربیع الاوّل ۶۶۱ھ کو عالمِ وجود میں تشریف لائے تھے، دوشنبہ کی رات بتاریخ ۲۰ ذی قعدہ ۷۲۸ھ کو عبودیتِ کبریٰ کا یہ آفتابِ درخشاں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ علامہ شبلیؒ نے اِس موقع پر کتنا عمدہ شعر نقل کیا ہے: ؎

رفتم واز رفتنِ من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم، چو رفتم بزم برہم ساختم

بیماری کے دنوں میں شمس الدین وزیر، دمشق میں تھا، اُس نے عیادت کی اجازت طلب کی، حضرت امام نے اجازت دے دی۔ حاضر ہو کر وہ دیر تک معافی مانگتا رہا، حضرت امام نے فرمایا کہ "میں نے تمہاری اور اپنے دشمنوں کی تمام تقصیریں معاف کر دیں، اسلئے کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ میں حق پر ہوں، میں نے سلطانِ اعظم الملک الناصر کی تقصیریں بھی معاف کر دیں کیونکہ اُس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا، دوسروں کے کہنے پر کیا اور اپنے نفس کے حظ کے لئے نہ کیا۔ میں اپنی طرف سے سب کی زیادتیوں پر خطِ نسخ کھینچتا ہوں، البتہ اللہ اور

رسُول کے دشمن اِس سے مستثنیٰ ہیں -

عالمگیر ماتم

اکثر لوگوں کو بیماری کا علم نہ ہُوا تھا' اسلیئے موت کی خبر سب کیلئے بالکل ناگہانی بلا کی حیثیت رکھتی تھی - زندگی میں اکثر خون کے پیاسے ہو رہے تھے لیکن موت کی خبر سُنتے ہی ہر طرف سناٹا چھا گیا - حقیقت یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی کی قدر اُس کے غروب کے بعد ہوتی ہے - مؤذن نے جامع مسجد کے مینار پر چڑھ کر اعلان کیا' پولیس نے قلعہ کے بُرجوں سے منادی کی - دفعتہً تمام دُکانیں بند ہوگئیں' حضرت امام کے اقارب و اصحاب قلعہ میں آئے' ان کے علاوہ لاتعد و لاتحصیٰ مخلوقِ خدا جمع ہوگئی' جامع دمشق بھر گئی' قلعہ میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی - دورانِ غسل میں بہت سے لوگ قرآن پڑھتے رہے - بہت سے لوگوں نے اِس مبارک وجود کے آخری دیدار کا شرف حاصل کیا جس کے سر پر قدرت نے مجددیت کا سب سے زیادہ درخشاں تاج رکھا تھا - علاّمہ مزی نے غسل دیا - امراء' رؤسا' علماء' فقہاء' اہلِ لشکر' عام لوگ' عورتیں اور بچے اِس کثرت سے جمع ہوئے کہ کہا جاتا ہے کہ " تین شخصوں کے سوا گھروں میں کوئی بھی باقی نہ رہا " یہ تین لوگ حضرت امام کے دشمن تھے' انھیں خوف تھا کہ لوگ کہیں جوش کے عالم میں اِنھیں سنگسار نہ کر دیں ۔[۱]

جنازہ

سب سے پہلے شیخ محمد بن تمام نے قلعہ میں جنازہ کی نماز پڑھائی' اِسکے بعد

---

[۱] " الکواکب الدرّیّۃ " و " مقالاتِ شبلی " ۔

جامع مسجد کی طرف چلے۔ جنازہ باہر نکلا تو ہجوم حد شمار سے افزوں تھا۔ لوگ دُور دُور سے رومال اور کپڑے جنازہ پر پھینکتے تھے تاکہ اُس سے چھو کر متبرک ہو جائیں۔ ہجوم کی کثرت دیکھکر انتظام کیلئے فوجیں متعین ہو گئیں عام لوگ رو رہے اور ماتم کر رہے تھے جامع مسجد میں دوسری نماز جنازہ پڑھی گئی، صف سے صف اس طرح پیوستہ تھی کہ بیٹھنا ناممکن تھا تاہم بہت لوگ مسجد میں نہ آسکے۔ تیسری نماز جنازہ شہر سے باہر ہوئی جسکی امامت حضرت امام کے بھائی شیخ زین الدین نے فرمائی۔ جنازہ کے ساتھ ہجوم کی جو کثرت تھی اُسکا اندازہ مختلف ہے۔ ایک بیان یہ ہے کہ "پانچ لاکھ نفوس تھے" کم سے کم اندازہ ڈھائی لاکھ کا ہے جن میں سے پندرہ ہزار عورتیں تھیں۔ عصر کے وقت مقبرہ صوفیہ میں اپنے بھائی شرف الدین کے پہلو میں دفن ہوئے۔

اُس وقت ریل، جہاز، تار یا ٹیلیفون نہ تھے تاہم فوراً ساری دنیائے اسلام میں خبر پھیل گئی اور ہر مقام پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی علی الخصوص مصر کے شہروں، دمشق، عراق، تبریز، بصرہ وغیرہ میں تو لوگوں نے کئی کئی قرآن ختم کرکے ایصالِ ثواب کیا۔ مسافروں نے بیان کیا کہ "چین میں بھی نماز جنازہ پڑھی گئی"۔ بڑے بڑے جلیل القدر علماء نے نہایت دردناک مرثیے کہے جن میں سے قاضی شہاب الدین احمد بن فضل اللہ العمری، علامہ ابوحفص عمر ابن الوردی، شیخ محمد الوانی الجزری، شیخ علاء الدین ابن غنام، محمود بن الاثیر الحلبی، شیخ زین الدین عمر بن الحسام الشبلی، شیخ جمال الدین عبد الصمد بن ابراہیم البغدادی، شیخ شہاب الدین احمد بن عبد الکریم بن انوشروان التبریزی، فاضل برہان الدین ولد شہاب الدین التبریزی وغیرہ کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔

باب (۶)

عام اخلاق اور تصانیف

عام اخلاق

حضرت امام کے اخلاق و عادات کا باب بہت وسیع ہے، مگر ہم اس باب میں انتہائی اختصار سے کام لینگے: حافظہ اور شجاعت کی نسبت بہت سی باتیں اوپر بیان ہو چکی ہیں، زہد و اتقا کمال پر پہنچا ہوا تھا: یہ حال تھا کہ زندگی کا ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ ہوتے تھے۔ رات کے وقت دنیا سے علیحدہ ہو کر بارگاہِ ایزدی میں گریہ وزاری کرتے رہتے تھے۔ کہیں کسی کی موت کی خبر سنتے تو معاً جنازہ کی نماز میں شرکت کیلئے روانہ ہو جاتے تھے، نماز نہ ملتی تو اس کے فوت پر تاسف فرمایا کرتے تھے۔ کسی کی بیماری کی اطلاع پاتے تو عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ مجلس میں ہر چھوٹے بڑے، اعلیٰ ادنیٰ، امیر و غریب، کبیر و صغیر کو یکساں حیثیت سے آنے کی اجازت تھی۔ سب کے ساتھ یکساں طریقے سے پیش آتے تھے۔ دستور تھا کہ جب قرآن کی کسی آیت کے حقائق و معارف کے سمجھنے میں دقت پیش آتی تو سب سے پہلے تمام تفاسیر دیکھ ڈالتے، جب اس طرح بھی تسلّی نہ ہوتی تو جبینِ نیاز زمین پر رکھکر بارگاہِ ایزدی میں دعائیں مانگتے

اور کہتے "اے ابراہیمؑ کے معلم! مجھے صحیح معنوں کی سمجھ عطا کر۔"

عمر بھر شادی نہیں کی، نہ مال جمع کیا، نہ گھر بنایا، نہ کسی دوسرے شغلہ میں مصروف ہوئے۔ ضروریات بہت محدود تھیں، بھائی سارا انتظام فرما دیتے تھے اور حضرت امام عبادت سے فارغ ہو کر صرف اپنے فریضۂ مجددیت کی تکمیل میں مصروف رہتے تھے۔ ساری عمر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع و اقتدا میں گزار دی۔ فرمایا کرتے تھے کہ "علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں، انبیاء دراہم و دنانیر نہیں چھوڑا کرتے اُنکی میراث علم ہے، جسے یہ میراث مل گئی اُس نے گویا بہت ہی بڑی نعمت پالی۔"

لباس اور سخاوت

لباس بہت سادہ رکھتے تھے حتیٰ کہ اُسکی مجموعی قیمت ۳ یا ۴ درہم سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ ایثار کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ ہاتھ میں آتا تھا محتاجوں کو دے ڈالتے تھے بخشش و ایثار کی بہت سی داستانیں مشہور ہیں: ایکمرتبہ ایک سائل آیا، پاس کچھ نہیں تھا، حضرت امام نے اپنی دستار مبارک اُتار لی، اُس کے دو ٹکڑے کرکے ایک ٹکڑا سائل کو دے دیا اور دوسرا سر پر باندھ لیا۔" ایک مرتبہ اپنے بدن کا کُرتہ اُتار کر دے دیا" "ایک دفعہ ایک سائل کچھ مانگنے کے لیئے آیا، حضرت ممدوح کے پاس کوئی رقم نہ تھی، ارشاد ہوا کہ "کتابوں میں سے جو چیز تمھیں پسند آئے، لے لو" سائل نے قلمی قرآن کا ایک عمدہ نسخہ اُٹھا لیا جو بہت قیمتی تھا۔ حضرت امام نے بخوشی اُسے لے جانے کی اجازت دی حاضرین میں سے بعض اسپر بہت شاکی ہوئے اور کہنے لگے کہ "آپ نے ایک قیمتی چیز یُونہی اُٹھا کر دے دی" لیکن حضرت امام نے کچھ بھی خیال نہ فرمایا۔"

تواضع کمال پہ پہنچی ہوئی تھی۔ فراست کا یہ عالم تھا کہ چہرہ دیکھتے ہی ہر شخص کی حاجت وضرورت کا اندازہ فرما لیتے تھے۔ سرفروشی، قربانی، بے باکی اور جرأت حدِ وصف وبیان سے باہر تھی۔

تصانیف

حضرت امام کی تصانیف کا اندازہ چار ہزار ورق کیا جاتا ہے۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ تصنیف کا اوسط ۴۰ صفحہ روزانہ نکلتا ہے۔ اکثر چیزیں قلم برداشتہ لکھ ڈالتے تھے چنانچہ عقیدہ حمویہ سارا ظہر وعصر کے مابین مرتب فرما دیا تھا۔ ایک مرتبہ مسئلۂ قدر کے متعلق ایک یہودی کے جواب میں ۱۸۴ شعر کا قصیدہ بلا تکلف لکھ ڈالا تھا۔ کسی چیز کیلئے بھی کتب کے محتاج نہ تھے۔ ابتدائی عمر میں حدیث، تفسیر فقہ، اصول، تاریخ وغیرہ کی جو کتابیں دیکھ لی تھیں وہ حافظہ میں محفوظ تھیں۔ چنانچہ انھیں کی بنا پر قید خانوں میں بھی بدستور تصنیف وتالیف اور افتاء کا مشغلہ جاری رہا۔ چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد پانچ سو بتائی جاتی ہے۔ ان میں سے جو تصانیف اس وقت چھپی ہوئی ملتی ہیں اُنکی تفصیل یہ ہے:

نام کتاب	ضخامت	کیفیت
فتاوٰی ابنِ تیمیہ رح	۵ جلد	یہ امام کے بہت سے چھوٹے بڑے رسائل کا مجموعہ ہے اور بہت عمدہ مجموعہ ہے، آخری دو جلدوں میں ابطال التحلیل ہے جو نکاح وطلاق کے متعلق بہترین کتاب ہے۔ نیز تسعینہ وسبعینہ جس کا دوسرا نام رد الفلاسفہ ہے، شامل کر دیگئی ہے۔
رسائل کبریٰ	۲۔ جلد	اسمیں امام کے بڑے بڑے اور اہم رسائل شامل ہیں۔

نام کتاب	ضخامت	کیفیت
تسعہ رسائل	ایک جلد	یہ بھی رسائل کا مجموعہ ہے جس میں سے دو رسالوں یعنی رسالہ "عبودیت" اور رسالہ "زیارتِ قبور" کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔ تیسرے رسالے "رفع الملام" کا ترجمہ زیرِ طبع ہے۔
الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسولؐ	"	اس کتاب کی کیفیت نام سے ظاہر ہے، نہایت بے نظیر کتاب ہے۔
منہاج السُّنّۃ	چار جلد	شیعوں کے رد میں نہایت جامع کتاب ہے۔
کتاب العقل والنقل	ایک جلد	"منہاج السنّۃ" کے حاشیہ پر چھپی ہے۔
الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان	"	نہایت عمدہ کتاب ہے، کسی زمانے میں اس کا ترجمہ ہو کر چھپا تھا جو اب کمیاب ہے۔
ردِ نصاریٰ	چار جلد	ترجمہ نہیں ہُوا، کیفیت نام سے ظاہر ہے۔
کتاب الوسیلہ	ایک جلد	نہایت عمدہ کتاب ہے، ترجمہ چھپ چکا ہے۔
کتاب الایمان	"	نہایت عمدہ کتاب ہے۔
اقتضاء الصراط المستقیم	"	ردِ بدعات و محدثات میں بے نظیر کتاب ہے۔
جواب اہل العلم والایمان	"	اس حدیث کی شرح ہے کہ "سورۂ اخلاص قرآن کا ⅓ حصہ ہے"۔
رد المنطق	"	غالباً ابھی تک نہیں چھپی، حیدرآباد میں قلمی نسخہ ہے۔ نہایت عمدہ کتاب ہے۔
اصحابِ صُفّہ	"	ترجمہ چھپ چکا ہے۔
تفسیر سورۂ اخلاص	"	ترجمہ ہو چکا ہے، چھپ رہا ہے۔

نام کتاب	ضخامت	کیفیت
شرح حدیث نزول	ایک جلد	امرت سر میں حافظ "ابن قیم" کی کتاب "اجتماع الجیوش الاسلامیہ" کے ساتھ چھپی ہے۔
ایضاح الدلالہ	ایک جلد	نہایت عمدہ کتاب ہے حال ہی میں مصر سے چھپ کر آئی ہے۔
تفسیر سورۃ النور	ایک جلد	تفاسیر میں نہایت عدیم النظیر ہے۔ حال ہی میں مصر سے چھپ کر آئی ہے۔

رسائل میں بعض چھوٹے چھوٹے رسائل کا ترجمہ ہوکر چھپ چکا ہے مثلاً:
درجات الیقین، وصیتہ الکبریٰ، وصیتہ الصغریٰ، الواسطہ، العقیدۃ الواسطیہ، وغیرہ اور بھی تصانیف بتائی جاتی ہیں، لیکن مطبوعہ یا قلمی دیکھنے میں نہیں آئیں۔ بعض رسائل و تحریرات مختلف اشخاص کے رسائل کے مجموعوں میں شائع ہوئی ہیں۔ کہتے ہیں: تفسیر تیس جلدوں میں مرتب کی تھی لیکن اب کہیں اُسکا وجود نظر نہیں آتا۔ تفسیر سورۂ اخلاص علیحدہ چھپ چکی ہے جو باریک ع.بی ٹائپ کے ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ تفسیر سورۂ کوثر کا نسخہ ایک مرتبہ سورۂ کوثر کی ایک پشتو کی تفسیر کے حاشیہ پر خاندانِ غزنویہ کے اہتمام سے ہندوستان میں چھپا تھا جو اب تقریباً ناپید ہے۔ پچھلے دنوں مختلف بزرگوں کے رسائل کا ایک مجموعہ مصر سے ہندوستان آیا تھا، اُس میں بھی سورۂ کوثر کی تفسیر تھی۔ یہ تفسیر بہت مختصر ہے۔ معوذتین یعنی سورۂ فلق اور سورۂ ناس کی تفسیر رسائلِ کبریٰ میں شامل ہے جسکا ترجمہ ہوکر چھپ چکا ہے۔ سورۂ نور کی تفسیر ع.بی تفاسیر کے ایک مجموعہ کے ساتھ ہندوستان میں چھپی تھی۔ اور اب علیحدہ کتابی صورت میں چھپکر مصر سے آئی ہے۔ ان ٹکڑوں کے سوا حضرت امام کی اور کوئی تفسیر نظر سے نہیں گزری۔

حیدرآباد کے ایک بزرگ سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ: اُن کے ایک دوست نے خود "لیڈن یونیورسٹی" کے کتب خانہ میں حضرت امام کی مکمل تفسیر کا ایک نسخہ دیکھا تھا جو تیس جلدوں پر مشتمل تھا اور یہ نسخہ حضرت امام کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا تھا" چند ماہ گزرے کہ پنجاب کے ایک بہت بڑے بزرگ سے سنا تھا کہ "آج سے کچھ مدت پیشتر ایک عرب حضرت امام کی تفسیر کی چند جلدیں ہندوستان لایا تھا اور وہ بڑی قیمت مانگ رہا تھا۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے بعض احباب کے ذریعہ سے اُس عرب کی تلاش شروع کرائی، لیکن اُس کا زیادہ سے زیادہ یہ پتہ مل سکا کہ وہ حیدرآباد کی طرف گیا ہے، اور کوئی سُراغ نہ ملا"۔ اِن دونوں روایتوں کی نسبت تحقیقی طور پر کچھ عرض کرنا مشکل ہے۔

یُوں تو حضرت امام کی تمام تصنیفات دراصل قرآن ہی کی تفسیر ہیں، جس مسئلہ پر قلم اُٹھاتے ہیں پے درپے آیات و احادیث پیش کرتے ہیں۔ اُنکی کوئی تصنیف ایسی نظر نہ آئے گی جسکا نصف اور بعض اوقات نصف سے زائد حصہ آیات و احادیث پر مشتمل نہ ہو؛ استدلال میں آیات پیش کرتے ہیں تو نہایت لطیف و باریک نکتے پیدا کر جاتے ہیں۔ خود اُن تصانیف کے مطالعہ سے فہم حقائق و معارف قرآن کا جو ذوق دل میں پیدا ہوتا ہے وہ اندازۂ بیان سے باہر ہے۔ اُس حقیقت کو وہی خوش نصیب اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جنھیں حضرت امام کی تصانیف دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ تحریر کی سب سے بڑی خوبی انتہائی سادگی اور انتہائی سلاست ہے، معمولی عربی دان بڑی آسانی کے ساتھ اُن کی ہر کتاب سے استفادہ کر سکتا ہے اس سادگی و سلاست کے باوجود تحریر میں اتنا زور، اتنا اثر، اتنی حرارتِ ایمانی اور اتنا عشقِ خدا و رسولؐ بند ہے کہ ایک مرتبہ اُسکی چاشنی سے لذت گیر ہونے کے بعد پھر دوسرے بزرگ کی تحریر میں مزا نہیں آتا؛ کم از کم راقم الحروف کا تجربہ

یہی ہے۔ جس معاملے پر لکھتے ہیں شمشیر برہنہ ہو کر لکھتے ہیں، قرآن سامنے ہے، تصریحات وارشادات حامل قرآن سامنے ہیں، ان کے بعد جس شئے کو اُٹھاتے ہیں۔ اُسکو ہی کسوٹی پر کستے ہیں، پوری اُترتی ہے تو انتہائی عقیدت کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں، کھری ثابت نہیں ہوتی تو بلا تامل اٹھا کر پھینک دیتے ہیں۔ غیر خدا و رسولؐ کسی کی بات کو اس بنیادی کسوٹی پر کسے بغیر منظور نہیں فرماتے، اور کسی شخصیت کی خاطر اس کسوٹی کی حیثیت نہیں بدلتے۔ بااین ہمہ سلف صالحین، محدثین، ائمۂ اربعہ، صوفیائے کرام اور بلند مرتبت علمائے اسلام سب کے نام انتہائی عزت وعقیدت سے لیتے ہیں۔ البتہ جو لوگ عقاید واعمال مسلمین میں فساد کے موجب بنے اور جنھیں مسلمانوں نے اپنی ذہنی، دماغی، سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی پستی کے دوران میں اسلام کے حقیقی ستون سمجھ لیا اُن کے ساتھ بہت سختی سے پیش آتے ہیں۔ گو یا وہ سنت کی صمصام ہیں، جب بے نیام ہوتے ہیں تو غیر سنت اشیار کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ اس جرح وقتل میں کسی چیز کی پروا نہیں کرتے۔

باب (۷)

حضرت امامؒ اور بعد کا دور

حضرت امامؒ کے معاصرین اور بعد کے بزرگوں نے ان کی مدح و ثنا میں جو کچھ کہا ہے وہ حدِ حصر و استقصا سے افزوں ہے۔ جن اصحاب کو اس مدح و ستائش کی کیفیت دیکھنے کا شوق ہو وہ "القول الجلی" "الرد الوافر" "الکواکب الدریۃ" "درر کا منہ" "تذکرۃ الحفاظ" "تصانیفِ ذہبیؒ" "طبقاتِ ابن رجب" اور حضرت مولانا ابو الکلام کا "تذکرہ" ملاحظہ فرمائیں۔ صدہا جلیل القدر اساطینِ علم و فن ہیں جن میں سے کوئی کہتا ہے کہ "ان جیسا عالم تین سو سال سے پیدا نہ ہوا" کوئی کہتا ہے کہ "سارے علوم ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں، جس چیز کو چاہتے ہیں اٹھا لیتے ہیں جسے چاہتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں" کوئی کہتا ہے "ان جیسا عالم کبھی نہیں دیکھا" کوئی انھیں "امامِ منتظر" بتلاتا ہے۔ غرض ہر شخص کی زبان اس طرح ان کی جلالتِ منصب کے اعتراف کے لئے کھلی ہوئی نظر آتی ہے۔ گویا اس کے خلاف وہ کچھ کہہ ہی نہیں سکتی۔

حضرتِ امام کے اہم کارناموں میں سے ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انکی برکت سے ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس نے ان کے بعد دین کے ہر شعبے میں

نہایت عظیم الشان کام کیے مثلاً حافظ ابن قیمؒ، حافظ ذہبیؒ، حافظ ابن کثیرؒ پھر حافظ ابن قیمؒ کے شاگرد، حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب "فتح الباری"۔ یہ سب ستارے اور چاند اسی آفتاب مجددیت کبریٰ کی ضیا باریوں سے چمکے، علی الخصوص حافظ ابن قیم تو سوائے حضرت امام کے سب پر فائق ہیں۔ اس دور کے بعد جو اشخاص حضرت امام کے نقش قدم پر چلے، ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر ہستیاں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نجدی، امیر اسمٰعیل یمنی اور قاضی شوکانی ہیں۔ آج عرب میں جو خطہ حضرت امام کے فیوض سے سب سے بڑھ کر کامیاب ہے، وہ نجد کا خطہ ہے۔ بلا شائبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ نجد سے احیاء اسلام کی جو رَو اٹھی اسکا سرچشمہ حضرت امام تھے۔

۱ حضرت امام کے زمانے میں اور حضرت امام کے بعد اُن کے مخالفین بھی بہت رہے۔ ہندوستان میں حضرت امام کا نام مدتوں قعر گمنامی میں پڑا رہا، پھر اس سے آگاہی شروع ہوئی تو وہ از سرتا پا افسوسناک بدگمانیوں اور غلط اندیشیوں پر مبنی تھی، جسکی بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان پر زیادہ تر ابن حجر مکی کی تصنیفات کا اثر تھا اور ابن حجر مکی حضرت امام کے سخت مخالف تھے حالانکہ انھوں نے حضرت ممدوح کی اصل تصانیف نہیں دیکھی تھیں۔ غالباً حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے سب سے پہلے حضرت امام کی عظمت کا اعتراف فرمایا، لیکن اس زمانے میں نجد کی تحریک شروع ہوئی، پھر خود ہندوستان میں حضرت شہیدؒ نے میدانِ جہاد آراستہ فرمایا۔ ان تحریکات کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اُن کی رَو میں پھر حضرت امام کی حقیقی حیثیت گم ہو گئی۔ فضل رسول بدایونی نے "سوط الرحمٰن" میں حضرت ممدوح کے متعلق نہایت افسوسناک اور از سرتا پا خلافِ واقعہ باتیں

لکھیں۔ نجدی تحریک کی مخالفت کے جوش میں یہ غلط بیانیاں بھی حقیقت ثابتہ سمجھ لی گئیں۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اپنی زندگی میں حضرت امام کی حقیقی حیثیت واضح کرنے کے لئے بے انتہا کوششیں فرمائیں لیکن چونکہ وہ "وہابی" مشہور تھے اس لئے اُنکی تصانیف بھی نورِ ہدایت کے اس نادر سرچشمے تک پہنچنے کا راستہ صاف نہ کرسکیں۔ حضرت مولانا عبداللہ غزنوی امرتسری اور اُن کے خاندان نے بھی حضرت امام اور اُن کے تلامذہ کی کتب کی اشاعت میں نہایت قابلِ مبارکباد کام کیا ہے۔ جتنی تصانیف ہندوستان میں شائع ہوئیں وہ سب نواب صدیق حسن خاں مرحوم اور خاندانِ غزنویہ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی نے آخری زمانے میں حضرت امام ابن تیمیہؒ کے حالات لکھ کر اُن کی مجددیت کا اعتراف فرمایا۔ لیکن اتنی کوشش ہندوستان کو حضرت امام سے روشناس کرانے کے لئے کافی نہ تھی۔ آخر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا "الہلال" نکلا۔ یہ درحقیقت بجائے خود حضرت امام کی تصنیفات کا نہایت بدیع پرتو تھا۔ حضرت مولٰنا ابوالکلام نے سارا راستہ صاف کردیا اور حضرت امام ابن تیمیہؒ سے ہندوستان کے لاکھوں پڑھے لکھے دماغ آشنا ہوگئے، نہ محض آشنا ہوگئے بلکہ اُن کے ساتھ انتہائی محبت کرنے لگے۔ راقم الحروف کو بھی حضرت امام کی طرف رہنمائی "الہلال" ہی سے ہوئی تھی۔ آج تاریکی کا پردہ چاک ہوچکا ہے اور ابن تیمیہؒ آفتاب بن کر چمک رہے ہیں۔ اِس کام کا سب سے بڑا اعزاز مولانا آزاد ہی کیلئے مخصوص ہے۔ اب لوگ حضرت امام کی تصنیفات پڑھتے ہیں، اُن کی اہم کتابوں کے ترجمے ہورہے ہیں اور اسی بردلعزیزی کا نتیجہ یہ چند اوراق ہیں جو تین مختلف صحبتوں کے مجموعی حیثیت سے سات گھنٹوں کی توجہ کا نتیجہ ہیں درانحالیکہ بہت سی دوسری مہر دیانت ومصروفیات بے طرح پریشان کررہی تھیں اور ایک اہم سفر

سے ساز و برگ کا اضطراب بجائے خود جداگانہ مصروفیت کا باعث تھا۔ والحمد للہ
اوّلاً و آخراً و ظاہراً و باطناً۔

غلام رسول۔ مہر
۹۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء۔ بوقتِ شب

(حکیم محمد حسین امین آبادی تحریر نمود)

سلسلہ ترویج کُتب متقدّمین

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ عربی کتابوں کے مصر سے منگانے میں کیا کیا دقتیں ہیں کن کن مشکلات کا سامنا ہے۔ ہم نے قارئین کرام میں سے علم دوست اور عربی خوان اصحاب کی سہولت کے لئے اس تکلیف کو دور کر دینے کا تہیہ کیا ہے۔ اور بعض عربی اور مصری کتابیں منگا کر فروخت کرنے کا انتظام کیا ہے۔ شائقین حضرات بلا کسی دقت اور نسبتاً کم قیمت پر فی الحال مندرجہ ذیل کتب طلب فرما سکتے ہیں۔ جوں جوں اس ایجنسی کی حیثیت اچھی ہوتی جائیگی اُسی قدر اس سلسلہ میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور اُسی قدر زیادہ وسیع پیمانہ پر ان کتابوں کی ترویج و اشاعت کا اہتمام ہوتا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں اس قابل بنا دے کہ ہم اور زیادہ سہولتیں بہم پہنچا سکیں۔ البتہ اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ انکے علاوہ بھی ہر کتاب درخواست آنے پر مہیا کرا دینے کا انتظام ہو سکتا ہے۔

تصانیف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
فتاویٰ امام ابن تیمیہ۔ ۵ جلدوں میں . .	ننگ ۳	کتاب التوسیلہ	عہ ۱۲ر
منہاج السنہ	عہ ۱۲ر	کتاب الایمان	عہ ۱۲ر
مجموعہ رسائل کبریٰ (۲۹ رسالہ)	تے ر	ابطال التحلیل	بے ۸ر
مجموعہ رسائل صغریٰ (۹ رسالہ)	عا ۴ر	الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح . . .	ہلے ۸ر
اقتضائے صراط مستقیم	عا	السیاستہ الشرعیہ	۱۲ر
تفسیر سورۂ اخلاص	عہ ۸ر	رسالہ خلاف الامہ	۴ر
تفسیر سورۃ التوبہ	عہ ۴ر	رسالہ رفع الملام	۸ر
الیضاح الدلالہ	۱۴ر	شرح حدیث نزول	عہ ر
قل ہو اللہ احد تعدل ثلث القرآن . . .	عہ ۸ر	الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول	۳ے ر

ملنے کا پتہ: الہلال بُک ایجنسی شیراں والا دروازہ۔ لاہور

تصانیف علّامۂ حافظ ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
اعلام الموقعین (۴ جلدوں میں) مطبوعہ مصر	۲۲ / ۸	ہدی الرسول اختصار زاد المعاد	عہ/
" " مطبوعہ ہند	۶	شفاء العلیل	۱۲
زاد المعاد فی ہدی خیر العباد (۲ جلدوں میں)	۱۲ / ۸	قصیدۃ النونیہ	عہ/ ۸
مدارج السالکین (۳ جلدوں میں) . . .	۱۰ / ۴	کتاب الصلوٰۃ	عہ/ ۸
اغاثۃ اللہفان	۶	کتاب الروح	۱۲
عدۃ الصابرین و ذخیرۃ الشاکرین	۶	جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الانام	۱۲
مفتاح دار السعادہ (۲ جلدوں میں)	۴ / ۴	الفارق بین المخلوق والخالق	۸
الطرق الحکمیہ شرح سیاسۃ الشرعیہ . . .	۱۲	اجتماع جیوش اسلامیہ علی المعطلہ والجہمیہ . . .	۴
اقسام القرآن	عا/ ۸	الفوائد	[illegible]
الفوائد المشوقہ	عا/ ۸		

مژدہ

کتاب التوحید۔ تالیف الامام الہمام المجدد شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رضی اللہ عنہ وارضاہ یہ کتاب بالکل نایاب تھی۔ ہمارے دوست شرف الدین صاحب بمبئی نے نہائت اہتمام سے مصر سے چھپوا کر حال ہی میں شایع کی ہے۔ اور اس پر تعلیق نہائت مفید ہے کتاب کا سائز ۲۶×۲۰/۸ کاغذ سفید، دبیز اور ولائتی چھپائی نہائت خوش وضع ٹائپ میں ہے باوجود اس کے قیمت بہت کم صرف . . . . (۱۲ار)

ملنے کا پتہ:۔ الہلال بک ایجنسی شیرانوالہ دروازہ لاہور

مطبوعاتِ الہلال بک ایجنسی لاہور

(تصانیف حضرت امام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ)

(۶) العروۃ الوثقیٰ ترجمہ **الواسطہ بین الحق والخلق** - خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ وسیلہ کی ضرورت کتاب و سنت سے واسطہ کی حقیقت اور مطلب و مفہوم کی تشریح، خالق و مخلوق اور بادشاہ و رعایا کے مابین واسطہ کا فرق، فضیلت شفاعت، اسلوب دعا، اسلام کی خالص توحید، کتاب و سنت کی شرک سوز تصریحات اور مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں غیر اسلامی عناصر کی جو افسوسناک آمیزش ہو گئی ہے اُنکے سدِّ باب کرنے اور دُور کرنے کیلئے اس بے نظیر رسالہ کی اشاعت کی اشد ضرورت تھی جو [illegible] [illegible]

(۷) اصحابِ صُفّہ ترجمہ رسالہ **اصحابِ صُفّہ** ترجمہ مولوی عبد الرزاق ملیح آبادی مدیر الجامعہ کلکتہ اس رسالہ میں نہایت صحیح اور مستند روایات سے ثابت کیا گیا ہے کہ اصحاب صفہ تعداد میں کتنے تھے ان کی وجہ معاش کیا تھی؟ اور یہ جو جہلا میں مشہور ہے کہ وہ تمام صحابہؓ سے افضل تھے دف وغیرہ آلات موسیقی پر قوالی کی آواز پر وجد کرتے تھے، تالیاں بجاتے اور ناچا کرتے تھے، یا انہوں نے مشرکین کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی، تو ان روایات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز اولیاء، ابدال، قطب، ابدال [illegible] رقص و سرود وغیرہ اہم مباحث کی نسبت نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے - قیمت [illegible]

(۸) کتاب الوسیلہ ترجمہ **قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلہ** [illegible] مولوی عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی - کتاب الوسیلہ محض لفظ "وسیلہ" ہی کی [illegible] نہیں بلکہ اسلام کے اصل الاصول "توحید" پر نہایت جامع اور مستند کتاب ہے اس میں توحید کی پرجوش دعوت ہے شرک کے سر پر مہلک ضرب ہے، بدعت و جمود کے گلے پر چھری ہے، [illegible] کہا جائیگا ریزہ ریزہ کر دیگا جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا - شفاعت حقہ اور شفاعت باطلہ، قبر پرستی، قبر پرستی کے متعلق جھوٹی روایات و حکایات، زیارت القبور بدعیہ و شرعیہ، ایسے افعال کی نسبت ائمہ اربعہؒ کے مسلک و مذاہب اور انکے اقوال [illegible] وسیلہ شرعیہ و وسیلہ بدعیہ نیز اسی قسم کے دیگر اہم مضامین پر ایسی تفصیلی بحث ہے کہ [illegible] موضوع کی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی - ہر مسئلہ پر قرآن و حدیث اور اقوال ائمہ سے استدلال کیلئے ایک مستند کتاب ہے اور مشرکین و مبتدعین کیلئے برہنہ تلوار ہے - حجم ۲۸۴ صفحات - قیمت بلا جلد [illegible] مجلد [illegible]

ملنے کا پتہ : الہلال بک ایجنسی نمبر ۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور